انا لله وانا اليه راجعون انا لله وانا اليه راجعون انا لله وانا اليه راجعون انا لله وانا اليه راجعون انا لله وانا اليه راجعون انا لله وانا اليه راجعون

انا لله وانا اليه راجعون بكل الاجر وانا اليه راجعون

يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي

حضرت مولانا علی میاںؒ کی رحلت

ہندوستان میں ایک ہزار سالہ مسلم عظمت و شوکت کا خاتمہ (اداریہ)

ماہنامہ

مدیر مسئول

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ

الحق

رمضان / شوال ۱۴۲۰ھ / جنوری / فروری ۲۰۰۰ء

عہد حاضر کی مشہور علمی وروحانی شخصیت، عارف باللہ، جامع شریعت وطریقت خلیفہ اجل حضرت حکیم الامتہ تھانویؒ، سابق صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپوریؒ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمان کامل پوریؒ

کے ترمذی شریف پر افادات تقریباً چالیس سال تدریس حدیث کا نچوڑ

معارف ترمذی

مرتبہ : قاری سعید الرحمان

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمان کی شان وعلم ومعرفت کا اکابر علماء کا خراج تحسین، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ ودیگر اکابر علماء فرماتے ہیں کہ "حضرت مولاناؒ کے وہی کمالات اور محاسن کے وضاحت کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ حضرت تھانویؒ کے واحد خلیفہ تھے جنہیں حکیم الامتہؒ نے بیعت سے قبل ہی خلافت سے سر فراز فرمایا۔

فقیہ العصر، محدث کبیر، عارف باللہ، خلیفہ اجل الامتہ تھانوی صدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ

کے حالات زندگی، انکی شخصیت، انکے روحانی ارتقاء، علمی تبحر، انکے خصوصی کمالات اور نمایاں صفات، فیض وتاثیر، معرفت وسلوک اور اصول تربیت کا ایمان افروز مرقع اور دلآویز تذکرہ

تجلیاتِ رحمانی

(مرتبہ : قاری سعید الرحمٰن)

کا دوسرا ایڈیشن نئے اضافوں کیساتھ شائع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے، پہلے ایڈیشن پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ مولانا سعید احمد خانؒ، مولانا عبدالباری ندوی ودیگر جلیل القدر علمائے کرام کی آراء اور تبصرے حضرت شیخ الحدیث کی آپ بیتی سے صاحب سوانح کا تذکرہ مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے مواعظ وملفوظات میں خراج تحسین بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے خصوصی ارتباط علماء خیز سرزمین علاقہ چھچھ کا تاریخی جائزہ

ناشر: جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر فون ۵۶۷۳۸۱

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

16 FEB 2000

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ـــ 35
شمارہ نمبر ـــ 4/5
شعبان ر رمضان ۱۴۲۰ھ
جنوری ر فروری
2000ء

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز : مولانا ندوی کی رحلت ہندوستان میں ہزار سالہ مسلم عظمت	راشد الحق سمیع حقانی	۲
شذرات۔ سی ٹی بی ٹی پر دستخط ملی بے حمیتی وغیرہ	مولانا محمد ابراہیم فانی	۹
موت العالم موت العالم (تعزیتی اجتماع سے خطاب)	مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	۱۵
ایک نادر مکتوب	مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ	۲۰
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲۱
زندگی بھی خوشگوار موت بھی شاندار	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۲۴
رہنمائے قوم وملت دیدہ ور جاتا رہا	ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید	۲۷
مفکر اسلام مولانا ندوی ایک نظر میں	جناب عمیر الحسینی ندوی	۲۸
مرد مومن کا آخری سفر	حاجی عبدالرزاق و مولانا سید محمود حسنی ندوی وغیرھم	۳۳
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا سید رضوان علی ندوی	۳۷
عالم اسلام کی نابغۂ روزگار شخصیت	ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب	۴۵
ایک علمی روایت کا خاتمہ	جناب خورشید ندیم صاحب	۵۰
حرمین شریفین میں غائبانہ نماز جنازہ	الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل	۵۴
الرثاء	مولانا لطافت الرحمان صاحب مدظلہ	۵۵
فخر دین وملت و قوم و وطن رخصت ہوئے	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۶
قطعات ابجد بوفات ابوالحسن علی ندوی	مولانا محمد ابراہیم فانی	۵۷
نظام اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی	مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	۵۸
فلاح کا اصل سرچشمہ اسلام	ڈاکٹر طاہرہ بشارت	۶۵
افکار و تاثرات	قارئین بنام مدیر	۷۲
دار العلوم کے شب و روز	مولانا حامد الحق حقانی	۷۸
تبصرہ کتب	م، ا، ف	۸۴

نوٹ: رسالے میں تاخیر عید الفطر کی تعطیلات اور حضرت علی میاںؒ کے افسوسناک سانحہ ارتحال کی وجہ سے تعزیتی مضامین کی شمولیت کی بنا پر ہوئی۔ جس پر ادارہ قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ یہ پرچہ جنوری رفروری کے دو شماروں پر مشتمل ہے۔ قارئین نوٹ فرمالیں

مَوتُ العَالِمِ مَوتُ العالَم　　راشد الحق سمیع حقانی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ قدس سرہ کی رحلت ' ہندوستان میں ایک ہزار سالہ مسلم عظمت و شوکت کا خاتمہ

داغِ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی　　اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

خوں شدہ قلب و جگر کے ساتھ ایک ایسی ہستی کا شکستہ اور دلبر داشتہ قلم ماتم کر رہا ہے ' جس نے فکر و خیال اور دل و دماغ کو نئی سمتوں سے روشناس کرایا تھا۔ جس نے عمر بھر عالم اسلام کو بیداری 'حمیت 'شجاعت 'صداقت 'خودداری دین و مذہب کے ساتھ وابستگی اور دعوت و عزیمت کا درس دیا تھا۔ اور جس نے ہندوستان میں تقسیم کے بعد مسلمانانِ ہند کو فکری لحاظ سے گرنے نہیں دیا بلکہ انہیں فکری 'دعوتی 'سیاسی 'سماجی اور معاشرتی طور پر از سرِ نو عزت و وقار کے ساتھ جینے کا ہنر اور حصول کامیابی کا قرینہ سکھایا۔ اور جس نے عجم کے لالہ زاروں سے لیکر عرب کے ریگزاروں اور دشت و صحرا تک کو اپنے علوم و فنون اور آفاقی پیغام سے نہ صرف سیراب کیا بلکہ بنجر زمین بھی چشمک زنِ فصل گل بنادی۔

یہ عظیم ہستی جنہیں علمی دنیا علی میاں کے پیارے اور محبوب نام سے جانتی ہے۔ اور جن کے امت مسلمہ پر ان گنت اور بے شمار عظیم احسانات ہیں۔ آج اسی باعث عالم اسلام کے علمی و دینی حلقوں میں ان کی جدائی اور فراق پر شور ماتم بپا ہے۔　ع

ماتم یہ زمانہ میں بپا میرے لیے ہے

اور حق تو یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ حضرت علی میاںؒ پر آج نہ روئے تو پھر انکی آنکھوں کا نم ہمیشہ کیلئے خشک ہونے کے قابل ہے۔ آج اگر حکیم الامت علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے تو انکے سانحہ

ارتحال پر ایسا خون آشام مرثیہ لکھتے کہ انکی والدہ مرحومہ کا مرثیہ لوگ بھول جاتے۔ اور اگر امام الہند مولانا حضرت ابوالکلام آزادؒ بقید حیات ہوتے تو ان کے قلم معجز رقم سے نکلی ہوئی سطور کے سامنے "غبارِ خاطر" جیسی شاہکار کتاب بھی ماند پڑ جاتی اور مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنے تعزیتی شذرے سے وہ قیامت برپا کرتے جس کے سامنے شورِ قیامت اور آواز محشر بھی نحیف ہو جاتی۔ اور مولانا عبدالماجد دریاآبادی بھی بزبان قلم وہ نوحہ وگریہ کرتے جس کے سامنے طوفانِ نوح بے معنی ہو جاتا۔ افسوس! صد افسوس! کہ حضرت جیسی عظیم عبقری شخصیت کا ماتم ہم جیسے تہی مایہ اور علمی سرمایہ سے بے بہرہ اور آپکے کمالات و صفات کے ادراک سے ناواقف و بیگانے اطفالِ مکتب کے حصے میں آیا۔ لیکن ....

مرے قلم میں ادیبوں کی اب و تاب نہیں　　متاعِ دیدہ خوناب لے کہ آیا ہوں

آپ نے مشرق و مغرب کے علوم و فنون نہ صرف مطالعہ کئے بلکہ آپ ان پر اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔ حضرت علامہ اقبالؒ کی طرح آپ کا مطالعہ بہت گہرا تھا۔ اور آپ نے بھی مشرق و مغرب کے علمی میخانوں سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اسی طرح مذاہب عالم پھر تقابل ادیان اور خصوصاً عیسائیت اور یونانی اور رومی مکاتب فکر کے قدیم عقائد و نظریات کیساتھ ساتھ موجودہ عالمی سیاست پر بھی آپکی بڑی وسیع نظر تھی۔ اسکی واضح مثال آپ کی مقبول عام کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کن علوم و فنون اور معلومات کے عظیم ذخائر سے مالامال تھے۔

آپکی تحریر کا ہر ہر لفظ امت مرحومہ کی عظمت رفتہ کی یاد میں ڈوبا ہوتا تھا۔ آپ کے ہر مقالے اور مضمون میں امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا سامان حیات موجود ہوتا۔ آپ کی ہر تقریر اور ہر نصیحت سوز و گداز اور فکری اور دعوتی پیرائے سے لبریز ہوتی۔ الغرض آپ کی ذات مبارک ایسا چراغ رہگزر تھا جس سے ہر سمت میں روشنی کی شعاعیں پھوٹتی رہیں۔ اپنے بھی اس سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اور اغیار نے بھی اپنے افکار کی ضیا اسی سراج منیر سے حاصل کی۔

علی میاں کی شخصیت بیسویں صدی کی ممتاز ترین مسلم شخصیات میں سے ایک ہے۔ گو کہ

آپ عمر کے لحاظ سے ان اکابرین کی صف میں شامل نہیں تھے لیکن اپنے بینظیر کارناموں اور محیر العقل خدمات کے باعث آپکا مقام تاریخ اور اکابرین کی پہلی صفوں میں بن گیا۔ کسی نے صحیح لکھا ہے کہ علی میاں کی جگہ مولانا ابوالکلامؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مساوی بن گئی ہے۔

آپ نے عمر بھر باطل مذاہب کا بھرپور شائستہ انداز میں مقابلہ کیا اسی طرح فرقِ ضالہ باطلہ کا بھی علمی انداز میں خوب تعاقب کیا۔ جس میں رد قادیانیت اور جدیدیت کے نام پر مختلف فرقوں کی مخالفت پیش پیش ہے۔ ہندوستان جیسے متعصب ہندو ملک میں رہتے ہوئے آپ نے مسلمانوں کے تشخص کو ختم ہونے سے بچائے رکھا۔ آپ نے ہندوستان میں ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے صدر کی حیثیت سے مسلمانوں کے حقوق کے حصول کیلئے تاریخی جدوجہد فرمائی۔ اور پھر ان حقوق کی نگہبانی بھی کی۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ع

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان

اور ہمیشہ متعصب ہندو حکومت کے امتیازی قوانین کی مخالفت امام احمد بن حنبلؒ کی طرح کرتے رہے۔ جسکی پاداش میں آپکو اواخر عمر تک طرح طرح کی صعوبتوں اور مشکلات سے گزرنا پڑا۔ لیکن آپ نے کلمہ حق ظالم، جابر اور کافر حکمرانوں کے سامنے ببانگ دہل کہنا مرتے دم تک نہیں چھوڑا۔

ے
عمریست کہ افسانہ منصور کہن شد
ما از سرنو زندہ کنیم دار ورسن را

آپ کوئی روائتی مولانا نہ تھے بلکہ آپ کی شخصیت ہشت پہلو تھی۔ حلقہ صوفیاء اور مسند تدریس سے لے کر آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی کے ایوانوں تک آپکی آواز کو غور اور توجہ سے سنا گیا۔ اور آپکی عظیم شخصیت اور بے مثال خدمات کا اعتراف مغربی دانشوروں اور اعلیٰ علمی اداروں نے بھی کیا۔ لیس من اللہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحد

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرح آپکی شخصیت نے شریعت و طریقت اور دین و دنیا کے تمام شعبوں میں عالم انسانیت کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ آپکے خامہ ء معجز رقم اور اعتدال پسند قلم کا اعتراف پیران کلیسا و حرم دونوں نے کیا۔ آپ نے امت مرحومہ کو بانگِ درا کی مانند نواہائے

پریشاں سے جھنجھوڑا۔اس لئے کہ آپ بھی چند گنے چنے محرم رازوں میں سے تھے۔ آج آپکی یاد میں دجلہ،فرات،نیل،آمو،راوی،اباسین،گنگا،جمنا سب غم کے آنسو بہا رہے ہیں۔

آپ عظیم مبلغ،پردرد داعی،بینظیر عالم،بے مثل خطیب،لاثانی ادیب،بلند نگاہ سیاستدان،عالی فکر لیڈر،پختہ مشق مدرس،نبض شناس ومدبر مہتمم اور حکیم فرزانہ تھے۔عالم اسلام کے اتحاد و یکجہتی،غلبہ اور نشاۃ ثانیہ کبھی سوز و ساز رومی اور کبھی پیچ و تاب رازی کی طرح اس ندوی فاضل کے قلب و جگر کو ہمیشہ پریشاں رکھتے۔اسی باعث آپ نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر بلکہ اس سے بھی آگے دن رات خون جگر کو جلا کر کام کرتے رہے۔ہندوستان کیساتھ پاکستان اور افغانستان اور وسط ایشیاء کے نو مسلم ممالک کی فکر بھی ہر وقت آپکو دامنگیر رہتی۔

آپکو زمانے کے نئے فتنوں اور خصوصاً مغرب کی ابھرتی اور چنگھاڑتی ہوئی ثقافتی یلغار کی بے حد فکر تھی۔اس بے قابو اور خطرناک سیلابِ بلا کے سامنے آپ نے رابطہ عالمی ادب اسلامی کی تنظیم کے ذریعے ایک کامیاب بند باندھا۔اور خود بھی ایک عظیم لافانی اسلامی ادبی لٹریچر لکھا اور تنظیم کے پلیٹ فارم سے باقاعدہ اسکے مقابلے کا اعلان کیا۔دو سال قبل جب آپ لاہور تشریف لائے تھے تو آپ نے ہر جگہ اور ہر علمی مجلس مین اس فتنہ سے مسلمان اہل قلم اور ارباب فکر و نظر کو آگاہ کیا۔

اسی طرح آپ نے بہت ہی اہم اور توجہ طلب دعوت و تبلیغ اور اصلاح وارشاد کا کام بھی شاندار طریقے سے سرانجام دیا۔اکابرین تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ علیہ اور حضرت محمد مولانا زکریا رحمہ اللہ علیہ کیساتھ بھی کافی عرصہ تک شانہ بشانہ کام کیا۔پھر انکی جدائی کے بعد تو آپ نے ہی ہندوستان میں اسی اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔اور باوجود ضعف و نقاہت کے آخری دم تک اس حساس دعوتی کام کیساتھ منسلک رہے۔ حضرت کی وفات سے جہاں زندگی کے سارے شعبے بے سہارا ہوئے ہیں وہیں پر دعوتی و تبلیغی شعبہ بھی یتیم ہو گیا ہے۔اس شعبہ میں حضرت نے اتنا زیادہ کام کیا ہے کہ جس پر کئی جلدوں میں ضخیم کتابیں لکھیں جاسکتی ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے "حکیم مسیح الملک" کے متعلق تعزیتی شذرہ میں جو

کچھ انکے متعلق لکھا تھا حقیقت میں وہ الفاظ آج علی میاںؒ کی وفات پر صادق آتے ہیں :-

''حکیم صاحب کی وفات 'خاندان کا ماتم نہیں' دلی کا ماتم نہیں' قوم کا ماتم ہے' فضل و کمال کا ماتم ہے' اخلاق و شرافت کا ماتم ہے' سنجیدگی کا ماتم ہے' عقل و ذہانت کا ماتم ہے' فکر و اصابت کا ماتم ہے' آزادی و حریت کا ماتم ہے' اخلاق وایثار کا ماتم ہے' ہندوستان اور مسلمانانِ ہند کا طالع وبخت کا ماتم ہے۔ ع مرثیہ ہے ایک کا اور نوحہ ساری قوم کا ''

حضرت علی میاںؒ کی خدمت میں راقم کو یکم جنوری ہفتہ کے روز ایک خط پوسٹ کرنا تھا' (الحق کے اکیسویں صدی کے خصوصی نمبر کے سلسلے میں) جس کا مسودہ بندہ نے پہلے ہی تیار کر رکھا تھا لیکن دست بیداد اجل کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اسکا موقع ہی سلب کر دیا۔ انکی اچانک وفات سے دل ودماغ سے گویا شور قیامت اٹھا ہے اس نے قویٰ بالکل مفلوج کر دیئے۔ بارہا جتن کے بعد بھی اداس طبیعت حضرت علی میاںؒ کی تعزیت پر قلم اٹھا نہ سکی۔

ے خیال وصل سے فرصت مرے جنوں کو ملے
دل و دماغ کو آمادہ فراق کروں

اور اسی تردد میں رہا کہ اپنے زندہ جاوید آئیڈیل ہستی پر کس طرح ماتم کروں ؟ اور پھر اس تصور سے ہی قلم اور دل کانپ اٹھتا ہے کہ کوہ ہمالیہ سے بڑی ہستی پر ایک مورِ ناتواں کیا لکھے ؟ چاہے تو تھا کہ حضرت کی وفات پر ایک خصوصی عظیم اور ضخیم نمبر شائع کرتا لیکن اچانک سفر پر روانگی کے باعث فی الحال یہ ہمت نہ کر سکا۔ لیکن یہ ہمارے ذمہ ایک قرض ہے اور ویسے بھی حضرت مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک دارالعلوم حقانیہ' حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ' ماہنامہ الحق اور راقم السطور کے ساتھ حضرت کا جو تعلق خاطر رہا وہ بھی متقاضی ہے۔ بہر حال حضرت کی جدائی کا ماتم تو کئی صدیوں تک زمانہ کرتا رہے گا۔ ع جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

لوح و قلم اور علمی دنیا پر انکے ان گنت احسانات ہیں۔ اور انکا لافانی عظیم لٹریچر صبح قیامت تک روشنی کا مینار بن کر چمکتا رہے گا۔ ع ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سندی و استاذی کی رحلت سے ندوۃ

العلماء، ہندوستان بلکہ پورا عالم اسلام یتیم ہو گیا ہے۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ علمی، سیاسی، روحانی عظمتوں کے جو بچے کچھے سلسلے تھے آپکی وفات سے انکا خاتمہ ہو گیا۔ قصرِ ملت میں آپکی جدائی سے ایسی دراڑیں پڑ گئیں ہیں جسکا پر ہونا صبح قیامت تک بظاہر محال نظر آتا ہے۔

وماكانِ قيس هلكه هلك واحد ولا كنه بنيان قوم تهدما

دعوت و عظیمت کا پیکر اور "کاروانِ زندگی" کا مسافر بلآخر "کاروان آخرت" کا ہمرکاب بن گیا۔ بزم علم و ادب کی وہ آخری شمع بھی بجھ گئی جس کی لو کے طفیل امت مسلمہ کو روشنی کی کرنیں مل رہی تھیں۔

اس شہرِ بے چراغ میں تنہا دیا ہوں میں
کتنی اندھیری رات ہے اور بجھ رہا ہوں میں

آپکے بعد بھی مسند علم تو قائم رہے گی لیکن سونی، بے رونق، بے مزہ اور بے کیف ورنگ۔

ع اب انہیں ڈھونڈھ چراغِ رخِ زیبا لے کر

اسی طرح حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مولانا شبلی نعمانیؒ کی وفات پر تحریر فرمایا تھا کہ ہندوستان کا آخری لائق فرزند بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گیا۔ لیکن خاکسار کی نظر میں ہندوستان کے آخری لائق فائق فرزند حضرت علی میاںؒ قدس سرہ، تھے۔ یقیناً اسکے بعد بھی ہندوستان کی مردم خیز سرزمین شخصیات اور عظیم ہستیاں پیدا کرے گی۔ لیکن وہ کوکھ ہمیشہ کے لئے بانجھ ہو گئی۔ جو حضرت مولانا علی میاںؒ جیسی شخصیات جنا کرتی تھی۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ کے بعد آپ ہی میرے موجودہ وقت میں آئیڈیل تھے۔ آپ کی پہلی زیارت دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر راقم (جب اسکی عمر صرف ساتھ برس تھی) کو نصیب ہوئی۔ جبکہ مجھے اپنے والد ماجد مدظلہ اور جدّ بزرگوار اقدس سرہ کی رفاقت میں دیوبند جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسکے بعد آپ دار العلوم حقانیہ ۱۹جولائی ۸۷ ۱۹ء میں تشریف لائے۔ اور تیسری بھرپور مگر آخری ملاقات دو سال قبل آپکی لاہور آمد کے موقع پر ہوئی۔ اور کامل ایک ہفتہ آپکے قدموں میں رہنے کا موقع غنیمت میسر ہوا۔ جسکی تفصیلی روداد ماہنامہ "الحق" اور روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوچکی ہے۔ اور آپ ہی میرے افکار و نظریات کے امام تھے۔ آج کے بعد تعزیتی کلمات کیلئے قلم اٹھے گا لیکن اسکے لہجے میں وہ سوز اور وہ گداز نہانی نہ ہوگا۔ آج تو خود قلم یتیم اور ادب لاوارث ہو گیا۔ مسند علم ویراں ہوگئی۔ حروف و معنی کے فانوس بجھ گئے۔ تحریر کا بانکپن رخصت ہوا۔ تقریر کا زمزمہ جاتا رہا۔ منبر و محراب کی رونق ماند پڑ گئی۔ افکار کی تازگی اور نظریات کی طراوت عنقا ہوئی۔ لفظ امیر اور قائد کا حقیقی مصداق لغت کی ڈکشنری سے محو ہوا۔ علامہ شبلیؒ کے ندوۃ العلماء کی آبرو رخصت ہوئی۔ اور ندوی قبیلہ کا طرۂ امتیاز نہ رہا۔ منزلوں کے چہرے اتر گئے۔ اور جادۂ ہائے منزل گویا گرد پوش ہوئے بلکہ یوں کہئے کہ "کاروان زندگی" ہی تھم گیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی رحلت پر ایک شاعر نے جو رقت انگیز مرثیہ لکھا تھا اس کے چند اشعار اپنی محبوب ہستی کی یاد میں آخری بار نذر کر رہا ہوں۔ (سمجھ میں نہیں آتا کہ رشد و ہدایت اور علم فضل کے آفتاب عالم تاب کو کس طرح الوداع کہوں۔ کہ اب تک تو اس وحشت اثر جدائی کا تصور بھی وہم و گماں میں نہیں گزرا تھا۔ فمن شاء بعدک فلیمت	فعلیک کنت احاذر)

اک جنازہ جا رہا ہے دوش عظمت پر سوار	پھول برساتی ہے اس پر رحمت پروردگار
غیرت خورشید عالم ہے کفن ہے تار تار	ابرِ گوہر بار کے اندر ہیں دُرِ شاہ وار
نوحہ خواں ہیں مدرسے اور خانقاہیں سوگوار	آفتاب علم و تقویٰ چھپ گیا زیر مزار
شمع محفل بجھ گئی باقی ہے پروانوں کی خاک	اب نہ تڑپے گی کبھی محفل میں دیوانوں کی خاک

یَا اَیَّتُهَا النَّفسُ المُطمَئِنَّةُ ارجِعِی اِلیٰ رَبِّكِ رَاضِیَةً مَرضِیَّة
فَادخُلِی فِی عِبَادِی وادخُلِی فِی جَنَّتِی۔

☆☆☆☆☆

شذرات

مولانا محمد ابراہیم فانیؔ

سی ٹی بی ٹی پر دستخط۔ ملی بے حمیّتی

الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ سی ٹی بی ٹی کے متعلق جبکہ اس معاہدہ کے بارے میں عوام کو اتنی معلومات حاصل نہ تھیں اور نہ اسکی حقیقت کا عوام تو درکنار خواص تک کو شعور وادراک تھا جب اس کے بارے میں ایک بحث کا آغاز ہوا کہ اس معاہدے پر دستخط کئے جائیں یا نہیں حالانکہ اس وقت کی نواز حکومت کا دبے لفظوں میں امریکہ بہادر کی خوشنودی اور رضاجوئی کی خاطر دستخط کرنے کا ارادہ تھا تو دارالعلوم حقانیہ نے اسکے مضمرات اور ضرر رساں اثرات سے پاکستان کے غیور عوام کو باخبر رکھنے کے لئے ایک فتویٰ قرآن وحدیث اور دیگر حوالوں سے مدلل ومفصل شائع کرایا جس کو نہ صرف ملک کے اندر پذیرائی حاصل ہوئی۔ اور تمام اخبارات نے اس کو جلی عنوانات کے ساتھ شائع کیا بلکہ بیرون ملک بھی اہل درد مسلمانوں نے اسے کافی سراہا۔ اور بین الاقوامی میڈیا اور نشریاتی اداروں سے اس پر خصوصی تبصرے کئے گئے۔

اس وقت تو یہ مسئلہ دبایا گیا لیکن اب تقریباً ایک ماہ سے دوبارہ یہ مسئلہ اٹھایا گیا ہے اور پاکستانی قوم حیران ہے کہ آخر اس وقت کون سی ایسی فوری ضرورت پیش آئی ہے کہ یہ حساس نوعیت کا معاملہ زیر بحث لایا گیا۔ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت سے موجودہ فوجی حکومت سول حکومت کی بہ نسبت بہتر انداز سے علی وجہ البصیرت آگاہ ہے۔ اور اگر وہ اس میں ڈھیل دکھاتی ہے۔ تو اس پر سوائے افسوس اور اناللہ کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ع

اب کسے رہنما کرے کوئی

مقام حیرت ہے کہ موجودہ وزیر خارجہ اس سے پہلے اس رسوائے زمانہ معاہدہ (عالم اسلام کی حد تک) کے سخت گیر اور اشد ترین ناقد تھے۔ لیکن اب وزارت خارجہ کا قلمدان سنبھالتے ہی انکے لہجے کے انداز بدل گئے۔ اور گویا انکی زبان پر امریکہ بول رہا ہے۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

بد قسمتی سے یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ اربابِ اقتدار جب حزب اختلاف میں ہوتے ہیں تو امریکہ اور دوسری سامراجی طاقتوں کے خلاف بڑے تیس مار خان بنے پھرتے ہیں مگر جونہی اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ تو فوراً ہی انکا نشہ اتر جاتا ہے اور اپنے آقائے ولی نعمت امریکہ بہادر کی قصیدہ خوانی میں شب و روز رطب اللسان ہو جاتے ہیں۔ ع

آنکہ استاذ ازل گفت ہماں میگویم

اور اب ہمیں مژدے سنائے جا رہے ہیں کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے سے بس ہماری تمام مشکلات و مسائل کا خاتمہ ہو جائیگا اور نہ صرف یہ بلکہ ہمارے ایٹمی پروگرام پر بھی اسکا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

اگر بات اتنی ہی سادہ ہے تو پھر امریکی سینٹرز اور دیگر ذمہ دار امریکی حکومت کے کار پردازوں نے پاکستان کا رخ کیوں کیا۔ اور جب یہ اتنی بے ضرر شے ہے تو پھر خود امریکہ میں کیوں اس پر دستخط کرنے کی مخالفت کی گئی ہے ؟

بہر حال جس وقت سے پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کیا ہے اور پورے عالم اسلام میں واحد ایٹمی قوت کے طور پر خریطہ ء عالم اور صفحہ ہستی پر ابھرا ہے اسی دن سے یہ مملکت عزیز مغرب اور طاغوتی طاقتوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے۔ مگر پاکستانی قوم اس معاملہ میں جنوں کی حد تک جذباتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنا پیٹ کاٹ کر ایٹمی پروگرام کی خونِ جگر سے آبیاری کی۔ اب وہ اتنی حساس ہے کہ اس بارے میں مزید کسی بحث و تمحیص کی روادار نہیں۔ فوجی حکومت کا وزیر خارجہ اور دیگر مغرب زدہ تجدد پسند طبقہ گوش ہوش سے سن لے کہ ہم کسی بھی صورت میں یہ دستخط نہیں ہونے دینگے اسکے بعد ہماری ملی غیرت اور قومی حمیت کا جنازہ نکل جائے گا اور ہم خود اپنا تشخص ہوا میں تحلیل کر دینگے۔ ہم ارباب اقتدار کو یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط نہ صرف ملک و ملت اور قوم و وطن سے غداری ہے بلکہ بقول جنرل حمید

گل یہ اجتماعی خودکشی کے مترادف ہے۔ اور یہ معاہدہ مغرب کی ایسی شاطرانہ چال ہے جس سے وہ بیک وقت وہ کئی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے کارپرواز ان حکومت اور صاحبان اقتدار کو ہر وقت اسکا ادراک کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہم نے خداوند کریم کے اس عظیم انعام کی قدر و منزلت نہیں پہچانی۔ اور اپنے ہاتھوں قعرِ مذلت میں اپنے آپ کو ڈبونے کا ساماں فراہم کیا۔ ورنہ بصورتِ دستخط پھر ہم اللہ کے غضب سے نہیں بچ سکیں گے۔

اپنے منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

قابل مبارکباد تاریخی اقدام

گزشتہ ماہ ۲۲ جنوری ۲۰۰۰ء کو سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ کے جج صاحبان جناب مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب' جناب جسٹس خلیل الرحمان صاحب' جناب جسٹس وجیہہ الدین احمد اور جناب جسٹس منیر اے شیخ نے سود وربوا کے متعلق ایک عظیم اور ملکی تاریخ کا نہایت اہم ترین فیصلہ سنادیا جس سے مسلمانانِ پاکستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ایک طویل انتظار کے بعد پژمردہ اور خزاں رسیدہ قلوب نکہت باد بہاراں کی اس عطر بیز حیات بخش شمیم سے معطر ہوئے۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد غالباً یہ دوسرا موقع ہے جس سے نظریہ پاکستان کو جلا ملی۔ اس فیصلے کا پس منظر یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے میاں نواز شریف کے سابقہ دور حکومت (۱۹۹۱ء) میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کے تحت ملک میں رائج تمام سودی قوانین کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے نواز حکومت کو ان قوانین کے خاتمہ اور انکی جگہ متبادل اسلامی قوانین نافذ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ جس پر بعض اخباری اطلاعات کیمطابق ملک بھر کے دینی حلقوں نے میاں صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس فیصلے کے خلاف اپیل نہ کریں لیکن انہوں نے یہ مشورہ قبول نہ کیا۔ اور قرآنی نص صریح فأذنوا بحربٍ من الله و رسوله کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی اب طویل غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد سپریم کورٹ کے

شریعت اپیلٹ بنچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو بحال رکھا۔ اور ساتھ ساتھ حکومت کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ ۳۰ جون ۲۰۰۰ء تک سودی نظام کے خاتمہ کے لئے عملی اقدامات کرے۔

سود کی حرمت تو قرآن پاک کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس کے لئے کوئی دوسری دلیل یا برہان وحجت پیش کرنا اس کی شایان شان نہیں لیکن دلچسپ امر یہ ہے کہ سود وربوا کی یہ لعنت ہندومت عیسائیت اور یہودیت میں بھی حرام ہے گو کہ سودی لین دین اور ربوا کے کاروبار کی ترویج میں یہودیوں کا بہت بڑا حصہ ہے اسی لئے تو علامہ نے فرمایا۔

ایں ہنوک ایں فکر چالاکی یہود　　　نور دل از سینہ آدم ربود

مگر اصل مذہب میں اسلام کی طرح یہودیت بھی سود کی اجازت نہیں دیتی یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ نے قومی اسمبلی کے فلور پر سود کے بارے میں یہ تحریک پیش کی تھی اور پارلیمنٹ میں اس پر کافی مباحثہ ہوا تھا۔ جس مسئلے کی بنیاد آج سے ۲۵ سال قبل حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے رکھی تھی بحمد للہ آج انکی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور یقیناً آپ کی روح پر فتوح کی فرحت وسرور میں کافی اضافہ ہوا ہوگا۔ اس عہد آفرین اور تاریخ ساز فیصلہ کے بعد حکومت کو چاہیے کے جلد از جلد وفاقی شرعی عدالت کے اس اقدام کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیریں سوچ لے‘ اور اسکے متعلق کسی معذرت خواہانہ رویے سے گریز کرے۔ ان شاء اللہ اسلامی نظام معاشیات کے اجراء سے ہمارا ملک اقتصادی و معاشی لحاظ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا اور آئی ایم ایف جیسے سامراجی اور یہودی شکنجوں سے بھی نجات حاصل ہو گی۔ وماذالك على الله بعزيز

....

مولانا مسعود اظہر کی بھارتی درندوں کی قید ستم سے رہائی

خداوند کریم نے بھارتی طیارہ کے اغواء کے نتیجہ میں عظیم صاحب سیف و قلم مجاہد ولولہ جہاد سے سرشار اور قربانی وایثار کے پیکر مولانا مسعود اظہر کو بھارت کے دست ستم اور خون آشام ظلم و بربریت سے رہائی کا غیب سے سامان مہیا کر دیا۔ ورنہ بظاہر تو آپ کی رہائی کے امکانات بالکل معدوم

تھے۔ مولانا مسعود اظہر کو اس وقت انڈیا میں پابند سلاسل کیا گیا تھا جب وہ باقاعدہ قانونی طور پر صحافی کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لے گئے تھے۔ ان پر بھارتی جیلوں میں جو بے پناہ مظالم ڈھائے گئے اور انکے ساتھ جو انسانیت سوز سلوک روا رکھا گیا۔ وہ ناقابل بیان ہے مگر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا کیا کہنا اور بالآخر کفر و شرک اور جبر و ظلم کے خلاف برسرپیکا مجاہدین اور عام مسلمانوں کی گریہ وزاری آہ و بکا نالہائے سحری اور رب العالمین کے حضور گڑگڑا کر دعائیں بار آور ثابت ہوئیں۔ اور اب ایک نئے ولولے اور تازہ دم جذبے کے ساتھ دوبارہ میدان میں اترے ہیں لیکن اس حساس موقع پر ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ تمام مجاہد تنظیمیں متحد ہو کر اس گھٹیا اور شیطان صفت دشمن کے مقابلہ میں صف آراء ہو جائیں اور اگر انفرادی طور پر تنہا پرواز کے ذریعہ تحریک کی کوشش کی گئی تو یہ پوری امت اور بالخصوص پاکستانی قوم کے لئے عظیم المیہ ہو گا۔

دو عظیم شخصیات کی دار العلوم قدوم میمنت لزوم

امسال ماہ شوال جو کہ دینی مدارس کے تعلیمی سال کے اختتام کا مہینہ ہے دار العلوم حقانیہ کے لئے اس لحاظ سے اہم رہا کہ عالم اسلام کے دو بطل جلیل اور عظیم زعماً یہاں تشریف لائے۔ اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے دار العلوم اور طلبہ کو شرفیاب فرمایا۔ ان میں سب سے پہلے تو افغان سپریم کونسل کے سربراہ ملا محمد ربانی صاحب تھے، تحریک طالبان کے تمام اہم اور سرکردہ رہنماؤں اور کابینہ کے غیر معمولی وفد کے دار العلوم وارد ہوئے۔ چونکہ ان کی آمد کی پہلے سے کوئی اطلاع اور خبر نہیں تھی۔ اور نہ ہی ان کی پاکستان آمد کے موقع پر پروٹوکول میں دار العلوم تشریف آوری کا ذکر تھا۔ اس لئے آپ کی اچانک آمد انتہائی غیر متوقع تھی۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ پردۂ غیب سے انکی آمد کا سامان مہیا کر دیا کیونکہ موسم کی خرابی کی وجہ سے آپ پشاور سے بذریعہ ہیلی کاپٹر اسلام آباد نہ جا سکے۔ اور یوں فضائی راستے کی بجائے بذریعہ کار آپ کے لئے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا گیا۔ پشاور میں آپ نے افغان کمانڈروں کے ذریعہ دار العلوم کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔

یہ اطلاع دارالعلوم کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ چنانچہ فوری طور پر آپ کے استقبال اور شایان شان خیر مقدم کی تیاری کی گئی اور انتہائی قلیل وقت میں طلبہ دارالعلوم اور دیگر افراد جی ٹی روڈ پر دو طرفہ صف بستہ ہوئے جوں ہی آپ کار سے اترے تو استقبالیہ نعروں سے ہزاروں طلبہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔

ہماری دعا ہے کہ آپکا یہ دورۂ پاکستان دوررس نتائج کا حامل ہو جائے اور مملکت خداداد پاکستان کو بھی اسلامی نظام اور شرعی قوانین کی برکتوں سے نوازے۔ (امین)

O دوسری عظیم شخصیت روسی ظلم وبربریت کی شکار اسلامی خود مختار ریاست چیچنیا کے سابق نائب صدر اور موجودہ مشیر جناب زیلم خان کی آمد ہے۔ آپ کی پاکستان تشریف لانے پر اسلام آباد میں آپ اور آپکے رفقاء کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا اس سے ہمارے سر شرم سے جھک گئے کہ عالم اسلام کی عظیم جہادی شخصیت کے ساتھ ایک اسلامی مملکت میں ایسی شرمناک حرکت کا مظاہرہ کیا جائیگا۔ اس حیا سوز حرکت پر دینی درد سے سرشار مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اور ملک کے کونہ کونہ سے ان مشرم وغیرت سے عاری افراد کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ آپکی آمد کی اطلاع رات کو ہوئی تھی اور صبح سویرے ہی سے طلبہ آپ کے استقبال کے لئے سرگرم ہوگئے۔ چونکہ وقت بھی کافی تھا اس لئے گاؤں اور شہر میں آپ کی تشریف آوری کے اعلانات کرائے گئے۔

آپ کے استقبال کے لئے حضرت مہتمم صاحب مولانا سمیع الحق مدظلہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ، نائب مہتمم مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ اور دیگر اساتذہ حضرات اور طلبہ اور عامتہ المسلمین سمیت چشم براہ تھے آپ کے نمودار ہوتے ہی طلبہ ارد عوام کا جذبہ اور جہادی ولولہ قابل دید تھا آپ کی تشریف آوری مصروفیات کے متعلق مکمل اور مفصل رپورٹ دارالعلوم کے شب وروز میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

خطاب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
ضبط وترتیب : مولانا حامد الحق حقانی

موت العَالِمُ موت العَالَمْ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال کی خبر جوں ہی دارالعلوم حقانیہ میں پہنچی۔ تو یہاں پر غم واندوہ کی ایک طوفانی لہر دوڑ گئی اور دوسرے دن یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو نماز ظہر کے بعد آپکی روح کو ایصالِ ثواب کیلئے ختمات قرآن پاک اور تعزیتی اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ اسکے بعد درد وکرب میں ڈوبے ہوئے اجتماع سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے انکی شخصیت سوانح وکردار پر مختصر (پشتو) خطاب فرمایا۔ جس کو آپ کے فرزند اکبر مولانا حامد الحق حقانی ٹیپ ریکارڈر سے ضبط کر کے قارئین الحق کی نذر کر رہے ہیں۔ .... (ادارہ)

میرے معزز علماء کرام اور طلباء عظام!

آج کے ختم قرآن کا مقصد ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں) کی وفات پر انکو ایصال ثواب بخشوانا مقصود ہے جو علمی دنیا کیلئے عظیم سانحہ ہے۔ آپ عالم اسلام کے عظیم المرتبت اور جید عالم دین تھے۔ آپ صرف ایک جید عالم ہی نہیں بلکہ داعی اسلام اور عالم اسلام کے عظیم مفکر اور برصغیر کے بلند پایہ اکابرین کی آخری نشانی تھے۔ وہ کل ہندوستان کے شہر رائے بریلی میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ آپ میں اکثر طلباء انکے اصل مقام اور شخصیت سے شاید پورے طور پر واقف نہ ہوں لیکن جو بڑے علماو اکابر ہیں وہ انکی خدمات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور وہ سب حضرات اس عظیم سانحہ اور صدمہ کو پوری امت کیلئے عظیم الشان نقصان سمجھتے ہیں۔ آپ ایک ایسے عالم اور مبلغ تھے جن کا پوری امت کے ساتھ تعلق رہا۔ اگرچہ لسانی لحاظ سے وہ ہندوستان کے باشندہ تھے لیکن اقوام عرب کے قلوب میں بھی محبوب تھے۔

عرب کے تمام علماء مورخین، مفکرین، دانشور اور اخبارات کے مدیران حضرت کو استاد کا درجہ دیا کرتے تھے۔ آپکو وہ الداعی الکبیر کہا کرتے تھے کہ آپ عالم اسلام کے سب سے بڑے داعی ہیں۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان پر ایسا عبور دے رکھا تھا کہ عرب

بھی انکی طرح فصیح اور بلیغ عربی نہیں لکھ سکتے تھے۔ آج وہ عرب حضرات حضرتؒ کی عربی سے استفادہ کرتے ہیں۔ ابھی آپ جوان تھے کہ جامعہ الازہر وغیرہ کے بڑے بڑے مشائخ نے آپکی بڑی بڑی کتب مطالعہ کیں تو انہوں نے آپکے بارے میں رائے دی کہ یہ تو عجیب اور نادر کتب کے مصنف ہیں۔ اسی طرح حضرت نے عربوں کیساتھ ساتھ یورپ کے لوگوں کو بھی اپنا پیغام پہنچادیا اللہ تعالیٰ نے حضرت کو یہ محبوبیت اور مقبولیت بخشی تاکہ سارے عالم میں اسلام کی ترجمانی اور دعوت اللہ تعالیٰ انکے ذریعے پھیلانا چاہتے تھے۔ وہ سب کو واضح اور دوٹوک پیغام دیا کرتے تھے' عربوں میں گئے جہاں شاہ فیصل' شاہ خالد' شاہ فہد جیسے بادشاہ مصر کے حکمران اور اردن امارات کے حکام انکی مجالس میں موجود ہوتے تھے۔ "اسمعها صريحةً منّي ايها العرب" جیسے خطبات اس کی واضح مثالیں ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انکو کلام حکمت اور انداز اور گفتار کا طریقہ عجیب عطا فرمایا تھا۔ کہ ہر انسان عام و خاص کے دل پر اثر انداز ہوتا تھا۔ اور اب عمر کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر امریکہ اور یورپ کے مزید دروازے بھی کھول دیئے تھے۔ وہ وہاں کی یونیورسٹیز اور کالجز میں بھی اسلام کا پیغام پہنچاتے رہے۔ گویا کہ آپ ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ زمانہ جدید میں قحط الرجال ہے۔ ایک فرد بہت بڑا جید' مدرس ہوگا ضخیم کتب کی شروح پر عبور ہوگا لیکن وہ داعی نہ ہوگا۔ بڑا مصنف ہوگا تو انہیں فنِ تقریر پر عبور حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو فنِ تحریر و تقریر کیساتھ ساتھ عربی ادب میں اعلیٰ مقام سے عطا فرمایا تھا۔ تصوف روحانیت اور امت کے غم میں رات دن وہ فکر مند رہتے اور انکی گہری نظر عالم اسلام کے امراض پر بھی تھی کہ عالم اسلام کس مرض میں مبتلا ہے اور آپ بیماری کو سمجھ گئے تھے کہ عالم اسلام کی بیماری مغربیت ہے۔ اور مغرب کے فلسفہ و تہذیب اور تمدن نے عالم اسلام کو تباہ و برباد کردیا ہے یہ آپکا خاص موضوع تھا۔ کہ مغربیت کے فتنے جو مادہ پرستی وغیرہ کی شکل میں اٹھکر عالم اسلام کو تہس نہس کردینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ مصطفیٰ کمال کی صورت میں تھے یا کسی بھی لادین کی صورت میں تو انکے مقابلے میں وہ دلائل لیکر میدان میں نکلے۔ جب عربوں پر قومیت پرستی سوار تھی' قومیت کا بہت بڑا نشہ ہوتا تھا تو مصر والے کہا کرتے تھے کہ "نحن ابناء الفراعنه" جمال عبدالناصر جیسا ڈکٹیٹر

لیڈر ہوتا یا کوئی اور اس دور میں کوئی کلمۂ حق نہیں کہہ سکتا تھا لیکن حضرتؒ میدان میں مقابلے کیلئے اترے اور قلم اور تحریر سے تمام فتنوں کی سرکوبی کی۔ تاریخ کے میدان میں آپ ایک عظیم مورخ بھی تھے۔ ابن خلدون کا جسطرح اسلام کے عروج اور زوال اور اقوام کے تنزل اور اسلام کے اصولوں پر گہری نظر تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا ندویؒ کو ان سے زیادہ نئے دور میں وسیع النظری عطا فرمائی تھی۔ قوم پرستی ٗ مادیت ٗ سیکولرازم مغربیت کو حضرت زہر قاتل سمجھتے تھے ٗ وہ زہر قاتل کا تجزیہ و تشخیص اس طرح کرتے تھے کہ امت اس سے کیسے بچے۔ دوسری طرف اسلام کے رموز پر اللہ تعالیٰ نے انہیں گہری نظر عطا کی تھی۔

انہوں نے " الارکان الاربعه " کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ٗ اسلام کے ان چار بنیادی ارکان پر جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ جسمیں نماز ٗ روزہ ٗ حج ٗ زکوٰۃ اصولِ عبادات کا قدیم و جدید مذاہب سے موازنہ کیا اور سارے فلسفے جمع کیے۔ اسکے ساتھ علماء و طلباء کو دعوت دیتے تھے کہ اپنے ان ائمہ و اکابرین کی جو کہ عزیمت اور استقامت کے علمبردار تھے کہ انہی کے نقش قدم پر چلیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت انکی کئی جلدوں پر مشتمل مستقل کتاب ہے۔ عزیمت اور دعوت اسلام مجدد اول عمر بن عبدالعزیز سے مجدد الف ثانی اور انکے بعد تک یہ ساری وہ کتابیں ہیں جن کا طلباء کیلئے مطالعہ کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرتؒ علماء و طلباء کیلئے ایک بہت بڑا ذخیرہ میراث میں چھوڑ چکے ہیں۔ اور دوسرے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انکو ایک اور بڑی عزت یہ بخشی ہے کہ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے ڈیڑھ سو سال پہلے انگریزوں اور سکھوں کے خلاف ایک بہت بڑا (جہاد اول) کیا تھا۔ آج اگر افغانستان یا کسی دوسرے خطہ میں جہاد جاری ہے تو یہ انہی دونوں شہدا کے جہاد کے اثرات ہیں۔ آپ طلباء کو تاریخ معلوم ہوگی کہ انہی شہداء نے یہ پہلی جنگ اسی سرزمین اکوڑہ خٹک پر لڑی تھی۔ یعنی جہاد کا آغاز اسی دارالعلوم کی مٹی پر ہوا تھا۔ آپ حضرتؒ سید احمد شہید کی اولاد میں سے اور انکے جانشین اور خاندان کے حقیقی وارث تھے۔ گویا تجدید دین کا کام اللہ تعالیٰ ان سے لینا چاہتا تھا۔ "سیرت سید احمد شہید" مولاناؒ نے تحقیقی کتاب نوعمری میں لکھی۔ گھر سے نکل کر اکوڑہ خٹک اور

گردونواح کے قصبوں کی مساجد میں راتیں تکالیف میں گزار کر عظیم شہداء کے حالات دریافت کرنے کے بعد تحریر فرمائی تھی۔ یہ آپ کی جوانی کی پہلی کتاب ہے۔

حضرتؒ ہمیں اپنے واقعات میں اکوڑہ خٹک کے گردونواح میں اپنے قیام کے بارے میں بتایا کرتے تھے اب تاریخ سید احمد شہیدؒ میں "جنگِ اکوڑہ" ایک مستقل باب ہے۔

بہر حال وہ ایک عظیم داستان ہے حضرتؒ کو علماء اور اکابرین پیار سے علی میاں کہا کرتے تھے۔ انکا خاندان ہندوستان کا بڑا علمی خاندان تھا۔ انکے والد ماجد ہندوستان کے بڑے مورخ تھے۔ حضرت مولانا عبدالحئیؒ الحسنی "نزھۃ الخواطر" کی کئی جلدوں میں ہندوستان اور پاکستان کے بڑے علماء کی تاریخ وحالات مرتب کر چکے ہیں۔ ہندوستان میں دار العلوم دیوبند ایک بڑا عظیم ادارہ ہے جسکا اپنا ایک انداز ہے جسکا تعلق دینی علوم اور روحانیت وغیرہ کے ساتھ ہے۔ اور دوسرا بڑا ادارہ علی گڑھ ہے جو کہ انگریزی علوم کا علم بردار ہے اسکے بعد اکابرین نے ایک ادارہ قائم کیا جسمیں دیوبند کی روح بھی موجود ہو لیکن اسمیں روحانیت کے ساتھ عربی ادب، اردو اور دیگر زبانوں میں فصاحت اور بلاغت کیساتھ اسلام کی تعبیر و تشریح بھی امت کے سامنے کی جاسکتی ہو۔ وہ ادارہ علامہ شبلی نعمانیؒ وغیرہ نے قائم کر دیا تھا۔ اور اسکو "ندوۃ العلماء" کہتے ہیں وہ ہندوستان میں تیسرا بڑا ادارہ ہے۔ ندوی جتنے بھی کہلاتے ہیں یہ ندوۃ العلماء کے مستفید حضرات ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی، جسطرح حقانی حضرات کی نسبت حقانیہ کی طرف منسوب ہے۔ علی گڑھ والے فارغ التحصیل "علیگ" کہلوانا پسند کرتے ہیں اور دیوبند کے فارغ التحصیل "دیوبندی" کہلاتے ہیں۔

اسوقت ندوۃ العلماء کی سرپرستی تقریباً پچھلے چار عشروں سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی فرما رہے تھے، وہ ندوۃ کے روح رواں تھے۔ بہر حال حضرتؒ ایک جامع الصفات شخصیت تھے بھائیو! ہم ایک طبقہ ایک برادری ہیں خاندان میں ایک چھوٹا بچہ وفات پا جائے تو پورے خاندان کو صدمہ لاحق ہوتا ہے۔ اس وقت تو خاندان کا ستون اور سردار ہم سے رخصت ہو کر اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ عربی شاعر نے سچ کہا ہے کہ

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكعه نبيان قوم تهد ما

بھائیو! اسوقت پورے برصغیر میں قحط الرجال ہے۔ پچھلے زمانہ میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم اور محبوب شخصیات ہوتی تھیں۔ جو خلاء کو پر کر دیا کرتی تھیں۔ لیکن اب وہ صورت حال نہیں ہے۔ افراد کار ختم ہو چکے ہیں۔ حضرت علی میاںؒ کی وفات حسرتِ حیات ساری ملت کیلئے ایک بڑا سانحہ ہے اور ایک علمی خاندان کے لحاظ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم حضرتؒ کے لئے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عظیم درجات اور اعلیٰ مقامات پر فائز فرمائے۔ انہوں نے ملت کے لئے سینکڑوں کتابوں کا صدقہ جاریہ چھوڑ رکھا ہے جو آخرت میں انکے کام آئے گا۔

حضرتؒ کا ہمارے ساتھ ہمیشہ محبت اور شفقت کا برتاؤ رہا۔ تیس چالیس برسوں سے انکا الحق کی مناسبت سے خصوصاً میرے ساتھ قلبی اور قلمی تعلق و سرپرستی کا رشتہ رہا۔ اس لحاظ سے ہم ایک مشفق سرپرست سے محروم ہو گئے۔ ایک مرتبہ ہم انہیں دارالعلوم کا دورہ کرنے لے آئے تھے' وہ نہایت بیمار اور کمزور تھے لیکن ضعف کی حالت میں بھی انہوں نے ہماری تمنا پوری فرمائی۔ اپنے اسی دورے کے موقع پر قدیم دارالحدیث کی دوسری منزل پر احاطہ اسماعیلیہ اور احاطہ سید احمد شہید کے سنگ بنیاد حضرتؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھے تھے۔

عزیز طلبا! آپکو اس تعزیتی جلسہ سے اتنا پتہ چل چکا ہے کہ حضرتؒ اس صدی کی ایک عظیم ہستی تھیں۔ اور وہ اب ہم میں نہ رہے لیکن وہ کون تھے انکے علوم کیا تھے یہ تجسّس اپنے ذہنوں میں ضرور رکھیں۔ تاکہ انکی تصانیف آپ مستقل پڑھتے رہیں۔ انکے علوم کی سب سے بڑی سہولت یہ ہے کہ وہ فصیح و بلیغ انگریزی' فرانسیسی' فارسی' عربی اور ترکی میں منتقل ہو چکے ہیں۔ انکا کلامِ فلسفہ اصول و ہدایات پر مبنی دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ پھیلانا چاہتے تھے۔

آخر میں آپ سب اس ختم قرآن پاک کا ایصال ثواب حضرتؒ کی روح پر اور اپنے اساتذہ کرام اور اکابرین پر ضرور بھیجیں۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ملت کے اس غمخوار و غمگسار اپنے بندے کے درجات بلند فرمائے اور بہترین مقامات قرب وارض پر فائز فرمادے اور ہم سب کو اسکے مشن پر چلنے اور آگے بڑھانے کی توفیق دے۔ و اخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين۔

ایک نادر مکتوب حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

1982ء میں ریحانۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سہارنپوری مہاجر مدنی کے سانحہ ارتحال پر قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے حضرت کے خاندان متوسلین کے علاوہ حضرت کے قریبی احباب و مخلصین اور معتمدین کو بھی تعزیت نامے بھیجے۔ داعی کبیر مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ' نے حضرت شیخ الحدیث کے تعزیت نامے کے جواب میں مولانا سمیع الحق کو خط لکھا مگر حضرت کی عظمت و جلالت قدر کے پیش نظر براہ راست انہیں خط کا جواب نہ لکھ سکے جو اعتراف عظمت کی واضح دلیل ہے قارئین بھی احترام اور عظمت علم کی اس روح پرور طرز ادا سے خط وافر حاصل کرلیں۔

مولانا ابوالحسن ندوی کا مکتوب گرامی

محب عزیز وگرامی مولانا سمیع الحق صاحب وقاہ اللہ واعلیٰ ودرجاتہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

والد ماجد مخدوم حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کا تعزیت نامہ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے سانحہ ارتحال پر) اس حقیر کے نام خط پہنچا۔ حضرت کو تو خط لکھنے اور شکریہ ادا کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آپ سے بے تکلف ہوں اسلئے آپکو لکھ رہا ہوں۔ اس سے بڑی عزت حاصل ہوئی کہ حضرت والا نے حضرت شیخ کی تعزیت کا مجھے مستحق سمجھا۔ واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت کو مجھ سے بالکل سرپرستانہ وپدرانہ تعلق تھا اور ایسی خصوصیت حاصل تھی کہ شاید مشکل سے دو ہی ایک افراد خاندان کو حاصل ہو گی۔ یہ حادثہ بقول حضرت کے پورے طبقہ اہل علم اور پورے عالمِ اسلام کیلئے صدمہ عظیم ہے اور تم میں سے ہر ایک تعزیت کا مستحق ہے۔ الحمدللہ ایصالِ ثواب کا پورا اہتمام ہوا' میری طرف سے آپ سب حضرات تعزیت قبول فرمائیں۔ عظّم الله اجركم۔ فى الفقيد العظيم ووقاكم الله من كل مكروه۔ حضرت کی خدمت میں بہت بہت سلام۔

والسلام مع الاکرام مخلص ابوالحسن علی

۲۲ جون 1982 لکھنؤ

تحریر: عتیق الرحمان سنبھلی (لندن)

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جو کے انتقال کی خبر پر شائع ہونے والے تعزیتی بیانات بجا طور پر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ ہمارے دور کی ایک اہم شخصیت تھے ان کے چھوڑے ہوئے تحریری سرمائے ہی میں جو چھوٹی بڑی تقریباً ۸۰ کتابوں پر مشتمل ہے ہمارے لئے روشنی اور رہنمائی نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی کی تفصیلات میں بھی خاص طور سے ہماری اس نسل کیلئے جس پر مستقبل کی قومی اور ملی ذمہ داریاں آنے والی ہیں، تعمیر و ترقی کی منزلیں طے کرنے کا ایک اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔

مولانا نے اپنے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ تحصیل علم و ادب کے اتنے شوقین تھے کہ بالکل بچپن میں جب وہ تھوڑا پڑھنے لکھنے لگے تھے تو انہیں جو پیسے ایک بچے کی حیثیت سے اپنے بڑوں خاص طور سے والدہ ماجدہ کی طرف سے ملتے تھے وہ انہیں کتابیں خریدنے کیلئے جمع کرتے تھے اور بجائے عام بچوں کی طرح کھا پی کر اڑا دینے کے اپنی پسند کے مطابق اور عمر کے لحاظ سے موزوں کتابیں خریدتے تھے۔ اس علمی ذوق و شوق کے نتیجے میں وہ جلد ہی مضمون نگاری بھی کرنے لگے اور انکی عمر ۲۴/۲۵ سال کی تھی جب ان کے قلم سے اپنے خاندانی ہیرو شہید بالا کوٹ (حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی) کی سوانح عمری کئی سو صفحات پر مشتمل کتاب کی شکل میں لکھی اور وہ ایک عمدہ کتاب مانی گئی۔ مولانا کے والد ماجد حکیم سید عبدالحئی حسنی عربی اور اردو کے ایک بلند پایہ مصنف ہونے کیساتھ ساتھ اس ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ابتدائی دور کے ناظم Rector ہونے کا اعزاز رکھتے تھے جسکی (Rector ship) کے عہدے پر تقریباً چالیس سال فائز رہ کر مولانا نے گزشتہ سنہ ۱۹۹۹ء کے آخری دن انتقال فرمایا ہے مولانا کے والد محترم مولانا کی بہت کم عمری یعنی صرف نو سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے اسکے بعد کا دور آپ نے اپنے بڑے بھائی حکیم ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی کی سرپرستی میں گزارا اور انہیں بھی ندوۃ العلماء کی نظامت کے عہدے کا اعزاز حاصل تھا۔ ندوہ سے اس گہرے رشتے کی بنا پر مولانا کو اسکی درسگاہ (دارالعلوم ندوۃ العلماء) سے استفادے کا جو موقع ملا اسے آپ نے بعض بڑے لوگوں کے بیٹوں کی طرح ضائع نہیں کیا بلکہ

بھرپور فائدہ اٹھایا اور بعض عرب استادوں کی موجودگی کے فیض سے اردو تحریر کے شانہ بشانہ عربی تحریر میں بھی کمال بہم پہنچایا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو اس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد مقرر کئے گئے خاص طور سے تفسیر قرآن کے اور ندوہ کے ماہانہ عربی رسالے الضیاء کی ادارتی ٹیم کے رکن بھی بنائے گئے۔

علمی و ادبی کمال کی تحصیل میں محنت اور لگن کیساتھ اللہ نے نوجوان مولانا علی میاں میں نیکی اور پابندی شریعت کی خاندانی میراث کیساتھ ان اوصاف کو ملت اسلامیہ میں عام کرنے کا جذبہ بھی عطا فرمایا تھا۔ مولانا کی پیدائش ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ کی ہے یعنی وہ زمانہ جب عالم اسلام پر جنگ عظمیٰ اول کی وہ قیامت ٹوٹنا شروع ہوئی تھی جو بالآخر خلافت اسلامیہ (عثمانیہ) کو کھا گئی اور عالم اسلام کی جان عربی دنیا پنجہ فرنگ کی ایسی بھرپور گرفت میں آئی کہ اس کا حلیہ ہی بگڑ گیا اور ایک عظیم وحدت فرنگی استعمار کی مرضی کے مطابق بے حیثیت ٹکڑوں میں بٹ کر رہ گئی۔ بات جب یہاں پہنچی یعنی جنگ عظیم اول کی لائی ہوئی مصیبت کے آثار و نتائج بھرپور طریقے سے نمایاں ہونا شروع ہوے تو یہ وہ وقت تھا جب مولانا علی میاں بارہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور انکے علمی ذوق اور شوق مطالعہ کی بدولت انکا شعور بالغ ہونا شروع ہو گیا تھا عالم اسلام کی اس مصیبت کا جو نقش انکے دل و دماغ میں اسوقت جما تو پھر وہ ساری عمر اس لگن سے آزاد نہ ہو سکے کہ اس صورتحال کو بدلنا ہے۔ عالم اسلام کی تقدیر کو پلٹنا ہے اور ایک دفعہ پھر اسلام کا پرچم لہراتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ اردو تحریر و تقریر کے ساتھ عربی تحریر و تقریر پر جو قدرت انہوں نے اپنے ذوق و شوق اور محنت سے حاصل کی اس نے اس میدان کار میں مولانا کی بڑی مدد کی اس عربی تحریر و تقریر کے ذریعے سے وہ براہ راست عالم اسلام کے قلب عالم عربی کی طرف متوجہ ہو گے اور پھر جس حد تک اس دنیا میں رسائی اور پہنچ ممکن ہوئی مولانا نے کوئی کسر اس میں اٹھا کے نہ رکھی کہ امت کے اس دل کو بیدار کیا جائے اسی انداز کی حرکت میں اسے لایا جائے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؂

نکل کے صحرا سے جس نے روما کا تختہ الٹ دیا تھا
سنا ہے میں نے یہ قدسیوں میں وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

مولانا کو اللہ نے دوسری بہت سی نعمتوں کے ساتھ فقر غیور کی خاندانی اور نسبی میراث کا بھی وارث بنایا تھا وہ حضرت علی بن ابی طالب کی نسل سے تھے اور انہی جد امجد کے نام پر نام بھی رکھا گیا تھا اس بڑے نام کی انہوں نے بھرپور لاج رکھی۔ کمالات علمی و ادبی اور قدرت تحریر و تقریر اور اخلاص بوجہ اللہ کے ساتھ یہ فقر غیور کی دولت انکی وہ خاص چیز تھی جس نے انہیں "فاتحین زمانہ" کی صف میں شامل کیا۔ عربوں کے یہاں جب سے تیل نکلا وہ ساری دنیا کو دولت کی خیرات بانٹتے ہیں مگر مولانا علی میاں کی خدمت میں انہیں عزت کا خراج پیش کرنا پڑا۔ اسلئے کہ مولانا نے اس دیار کا گلی کوچہ چھان کر بھی ان کی دولت پر ایک نگاہ غلط انداز بھی کبھی نہ ڈالی۔ مولانا کے ساتھ کوئی جماعت اور تنظیم نہ تھی جو عالم عرب' عالم اسلام میں ان کا امیج بنانے کی تدابیر کرتی۔ یہ صرف انکی اہلیت کیساتھ انکا خلوص' انکا درد و سوز اور یہ فقر غفور تھا جس نے انہیں وہ عزت پورے عالم اسلام میں عطا کی کہ عالم اسلام کا تمام دینی رجحان والا طبقہ آج انکے فراق پر سوگوار ہے جمعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء' ۲۳ رمضان جو انکے انتقال کا دن ہے اسی مبارک دن میں انکی نماز جنازہ غائبانہ حرم شریف میں ادا کی گئی۔ مولانا اپنی آنکھوں سے دنیائے اسلام میں تبدیلی کا وہ منظر نہیں دیکھ سکے جس کیلئے انکا دل تڑپتا اور اپنے زبان و قلم اور ضعیف جسم کیساتھ وہ سراپا حرکت بنے رہتے تھے خود فرمایا کرتے تھے : ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر ہیں

مگر وہ نقش پا چھوڑ گئے ہیں ان میں بعد والوں کیلئے ایک نمونہ بھی ہے اور حوصلے کا سامان بھی۔

پس یہ چند سطریں مولانا مرحوم کی مدح و ثنا کیلئے نہیں لکھی گئیں ہیں بلکہ اصل محرک یہ ہے کہ آج نئے سرے اور نئے انداز سے عالم اسلام کو اس طرح کے چیلنجوں کا سامنا ہے جس طرح کے چیلنج نے آج سے ستر برس پہلے مولانا میں اسکا حریف اور مدمقابل ہونے کی روح پھونکی تھی اسلئے آج جو روحیں آج کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور انکا منہ موڑنے کی بے چینی اپنے اندر پا رہی ہیں انکی یہ ایک خدمت ان سطروں کے راقم کو نظر آرہی ہے کہ وہ انکو ایک ایسے پیشرو کے نمونہ عمل پر غور و فکر کی طرف متوجہ کرے جسکو علم کی گہرائی اور خاص طور سے مطالعہ سیرت نبوی اور تدبر فی القرآن نیز خداداد ذہانت و فطانت کی بدولت ایک حکمت و دانائی کا مقام بھی مسلمہ طور پر حاصل تھا ایسے افراد کا نمونہ قوموں اور ملتوں کی بیش قیمت میراث ہوتی ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی

زندگی بھی خوش گوار‘ موت بھی شاندار

(طاب حیّاً و طاب میتا)

وہ واقعہ جس کو ایک نہ ایک دن آنا ہی تھا وہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو پیش آگیا۔ یعنی حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نے وفات پائی۔

اللهم قدس روحه واکرم مثواه

یانفس أجملي جزعا　　　فإنك ماتحذرين قدوقعا

اے نفس شورش غم پر قابو رکھ‘ جس بات کا تجھے ڈر تھا وہ بات پیش آگئی۔

خلود‘ ہمیشگی کی زندگی‘ آخرت کے لئے ہے‘ عالم ناسوت کے لئے فنا مقدر ہے۔

بہ گیتی گر کسے پائندہ بودے　　　ابو القاسم محمدؐ زندہ بودے

کسی کی موت پر اظہار غم کوئی نئی بات نہیں ہے‘ اسکے سینکڑوں اور ہزاروں انداز بیان ہیں‘ نظم و نثر دونوں میں یہ صنف ادب مشہور ہے‘ لیکن ہر طرح کے مبالغوں سے پاک‘ انتہائی حقیقت پسندانہ سادہ اور سچا دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا‘ بے تصنع‘ اور سخن سازی سے مبرا جملہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جملہ ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد آپکے جسد اطہر کے پاس تشریف لائے‘ جبین مبارک کو چوما اور کہا ” طبت حيا و طبت ميتا “ آپ کی زندگی پاکیزہ اور اچھی رہی اور آپکی موت بھی پاکیزہ اور اچھی رہی۔ آج رسول کریم ﷺ کے ایک امتی‘ اللہ کے بندہ بے نوا ابو الحسن علی پر یہی جملہ ہر طرح صادق نظر آتا ہے۔ آج وہ اللہ کے لطف و کرم کے محتاج‘ اس کی مغفرت کے طلبگار‘ اسکی رحمتوں کے امیدوار ایک جسد خاکی میں‘ حضرت مولانا‘ سیدنا مرشدنا اور اسی قافیہ و ترکیب کے سینکڑوں الفاظ نام کے پہلے اور نام کے بعد لکھے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ سب دنیاوی زندگی کے القاب تھے‘ آخرت کا لقب صرف وہی ہے جس میں عبدیت کا اظہار ہو۔

بات کہی تھی خلیفہ رسول برحق نے‘ اور جسکے حق میں کہی تھی وہ سرور کائنات اور فخر

موجودات تھے، مثال و تشبیہ تعریف و تشخص میں نہیں دی جا رہی ہے۔ ہاں اس نور کی ایک شمع، اس سمندر کا ایک قطرہ ایک بندہ خدا اور رسول پاک ﷺ کے متبع سنت فرد پر صادق آ رہا ہے۔

طاب حیا...... زندگی کامیاب، بلند اقبال رہی، مقبولیت عند اللہ کا تاج زریں آخری سانس تک سر پر رہا، مقبولیت و نورانیت ایسی جو عہد قریب میں کہئے یا اس صدی میں اس درجہ وسیع پیمانے پر شاید ہی کسی کو حاصل ہوئی ہے۔

ایک فقیر بے نوا، بے تاج و گہر نے بادشاہی کی، دلوں پر حکومت کی، ملک سے باہر صرف عرب کے کسی ایک خاص حصہ میں نہیں بلکہ تمام عرب ممالک میں، مشرق قریب، اوسط اور بعید کے ہر خطے میں، وہ دینی کتابوں کا مصنف جس کی کتابیں پڑھنا علم و ثقافت کی دلیل ہو اور جس سے ناواقفیت جہل و نادانی کی علامت ہو، جو بغیر کسی فکر و فن اور بغیر سیاسی قلابازیوں، انجمن سازیوں کے، پارٹیوں اور جماعتوں پر بھاری ہو، جس کے ایک بول سے "اوراقِ حکومت پر شکن" آجاتی ہو، جو زندگی بھر کسی گورنر یا صدر حکومت کی، یا وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ کی کوٹھیوں کا چکر لگاتا ہوا نہ دیکھا گیا، بلکہ خود حکمراں ہی، اپنی حکمرانی کے زمانے میں بھی اور حکمرانی ختم ہونے کے بعد بھی اس کے در پر آئے ہوں، جو بادشاہوں اور جمہوریتوں کے صدروں سے نہ ملنے سے ڈرا ہو، اور نہ ڈر کربات کی ہو ایک ہی وقت میں متعدد آل انڈیا اور آل ورلڈ جماعتوں کا صدر ہو، مگر اپنے بوریہ فقر سے ایک انچ ٹلا نہ ہو، جس کو اگر کسی غیر مسلم نے دیکھا تو بر ملا کہا "یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا" اور مسلمان نے دیکھا تو اسکی عقیدت و محبت کا دم بھر تا رہا۔ جس نے کسی بڑی سی بڑی کانفرنس یا بڑے بڑے مہمان کی خاطر اپنے معمولات ورد و ظائف میں ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر نہ کی ہو۔ غیرت دینی اور حب نبوی میں جس نے وقت کے کسی بڑے سے بڑے جابر حکمران کی پرواہ نہ کی ہو۔ "طاب حیا" کی اس سے زیادہ روشن، واضح، بے داغ تصویر اس عہد میں نمایاں دیکھی گئی ہے؟

فرمودہ صدیقی کا دوسرا جملہ "طاب میتا" اور دعائے ماثورہ "اللھم بارک فی الموت و ما بعد الموت" کی قبولیت بھی دنیا نے دیکھ لی۔ رمضان المبارک کا مہینہ، فالج زدہ اور کمزور جسم کے ساتھ تمام روزے پورے کئے، ایک وقت کی فرض نماز کیا سنت و مستحب بھی فوت نہیں ہوئی،

تلاوت واوراد میں کوئی لحہ بھر کا فرق نہیں آیا' شدید علالت میں بھی جس کی جماعت نہ چھوٹی ہو' جمعہ کادن اور جمعہ کے تمام آداب مسنونہ 'حجامت' غسل وضوسے آراستہ 'معمول کے مطابق مسجد جانے کیلئے تیار' تلاوت کے دوران جب سورۃ یٰسین کی گیارہویں آیت " فبشره بمغفرة أجر كريم "پر آخری سانس لی ہو ''طاب میتا'' کی اس سے اچھی تفسیر کس نے دیکھی اور پڑھی ہے۔

حرم بیت اللہ اور حرم نبوی شریف کے مئذنہ (اذان دینے کی جگہ) سے یہ آوازیں بلند ہوتی ہیں 'الصلوٰة على الميت الغائب' على سماحة السيد ابى الحسن على الحسنى الندوى' اس نماز میں خادم الحرمین الشریفین اور انکے وزراء وحکام شریک تھے، تودوسری طرف اللہ کے وہ اشعث واغبر (پراگندہ حال پراگندہ مال) بندے بھی تھے جو ہزاروں میل کی مسافتیں طے کر کے حرمین میں ستائیسویں شب گزارنے آئے تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کسی جنازے کی نماز پڑھا رہے تھے صلاۃ جنازہ کی دعاء کے الفاظ سن کر صف بستہ نمازیوں میں ایک صحابی نے کہا" ليتنى كنت الميت " کاش میں ہی میت ہوتا اور میری نماز جنازہ ہوتی۔ امت اسلامیہ میں آج بھی ایسے ہزاروں نفوس ہیں جن کے دل میں یہ بات آئی ہوگی جب ایک ہندی المولود قصباتی مسلمان کیلئے مسجد حرم میں بیس لاکھ اور مسجد نبوی میں ۸ لاکھ مسلمان زائر جنازہ غائبانہ پڑھ رہے تھے۔

اس غم کی کہانی میں یہ شادمانی تابناک روشنی ہے!!

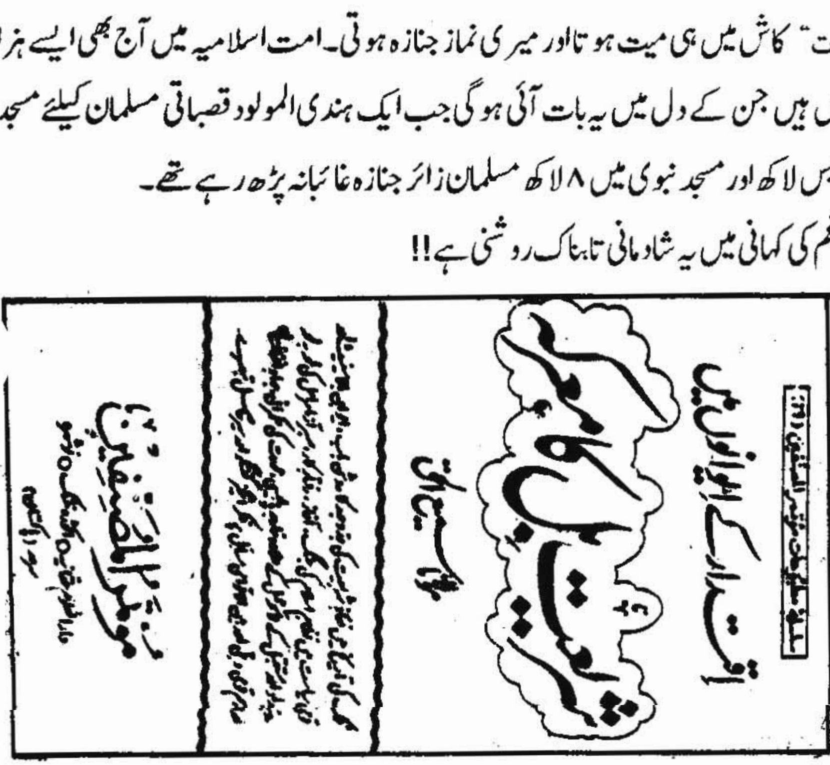

ڈاکٹر عبداللہ صالح العبید
جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی۔ مکہ مکرمہ

رہنمائے قوم وملت دیدہ ور جاتا رہا

اتحادویگانگت کا نمونہ قضاء وقدر پر ایمان کیساتھ اپنے رفقاء کی طرح میں نے بھی علامہ سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کے سانحہ وفات کی خبر سنی' انہوں نے ایک طویل عرصہ تک مسلمانان عالم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا، اور اسلام کے اصل پیغام اور اسکی صحیح روح سے دنیا کو متعارف کرایا' اور دین حنیف کی دعوت پوری حکمت اور دانائی کیساتھ مسلسل دیتے رہے' جسمیں سلف صالحین کے اسوۂ حسنہ کو برابر مشعل راہ بنائے رکھا اپنی آخری سانس تک قرآن وسنت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتے رہے' انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا اصل سبب صحیح عقیدہ اور عمل سے انکی دوری اور ان مفید علوم سے غفلت ہے جو عقیدہ وعمل کی پختگی اور سیاست ومعیشت کے استحکام کے ضامن ہیں۔...... شیخ ابوالحسن ان اولین رہنماؤں میں تھے جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد کے سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں' چنانچہ عالمی سطح پر وہ رابطہ عالم اسلامی کے بانیوں میں سے تھے اور رابطہ ہی کی متعدد ذیلی تنظیموں مثلاً موتمر اسلامی عالمی مجلس اعلیٰ برائے مساجد اور اسلامی فقہ اکیڈمی کے رکن رکین تھے۔ نیز جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مشاورتی کونسل اور یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی تھے۔ وہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے بانیوں میں تھے جسکا صدر دفتر (ان ہی کے زیر صدرات) ہندوستان میں ہے اور اسکے علاوہ بھی متعدد اسلامی تنظیموں اور اداروں کے قیام اور انکی سرگرمیوں میں انکا اہم ترین حصہ رہا ہے۔ شیخ ابوالحسنؒ کو عالم اسلام کے تمام شاہان وسربراہان حکومت نہایت احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے' اسی طرح ساری اسلامی دنیا کے علما اور تمام دینی ودعوتی اداروں میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔

آج ہم امت کے اس جلیل القدر عالم کو رخصت کر رہے ہیں اور ابھی چند ماہ قبل ہی ہم ایسے قابل احترام علماء کو الوداع کہہ چکے ہیں جو اسی راہ کے رہرو تھے جس پر شیخ مرحوم ساری زندگی گامزن رہے' میری مراد محدث جلیل شیخ ناصر الدین البانی' اور فقیہ عصر شیخ عبدالعزیز بن باز سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی روحوں پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے' انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور امت اسلامیہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے (امین)

ترتیب : عمیر الحسینی ندوی
(ماخوذ از مفکر اسلام کی اردو تصانیف)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ایک نظر میں

ولادت : ۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) بمقام تکیہ کلاں رائے بریلی، رائے بریلی
تعلیم : تعلیم کا آغاز والدہ محترمہ سے قرآن مجید سے ہوا پھر اردو اور عربی کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں والد صاحب حکیم سید عبدالحئی صاحب کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر نو سال سے کچھ اوپر تھی تو تعلیم و تربیت کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ اور برادر بزرگ مولانا حکیم سید عبدالعلی حسنی پر آپڑی جو خود بھی اس وقت دارالعلوم ندوۃالعلماء اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔

☆ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴) میں علامہ خلیل عرب سے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز کیا اور اصلاً انہیں کی تربیت میں عربی مکمل کی۔

☆ ندوۃالعلماء کے اجلاس ۱۹۲۶ء منعقدہ کانپور میں شرکت کی اور اپنی عربی بول چال سے سرکاء کو محظوظ کیا، جس کی وجہ سے بعض عرب مہمانوں نے اپنے گھومنے پھرنے میں بطور رہبر مولانا کو ساتھ رکھا۔

☆ ۱۹۲۷ء میں لکھنو یونیورسٹی میں داخلہ لیا اسوقت مولانا یونیورسٹی کے سب سے کم سن طالب علم تھے یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی۔

☆ عربی زبان کی تعلیم کے دنوں میں اردو کے ادب عالی کی چوٹی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جس سے مولانا کو دعوت کے کام کی انجام دہی اور عصری زبان و تعبیر میں صحیح اسلامی فکر و عقیدہ کی تشریح میں مدد ملی۔

☆ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان انگریزی زبان کے سیکھنے کی بھی مشغولیت رہی جس

کیوجہ سے اسلامی موضوعات اور عربی تہذیب و تاریخ وغیرہ پر انگریزی کی کتب سے مولانا کیلئے براہ راست استفادہ ممکن و آسان ہوا۔

☆ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور علامہ محدث حیدر حسن خان کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ اور ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی۔

☆ اپنے شیخ خلیل انصاری سے منتخب سورتوں کی تفسیر کا درس لیا اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے انکے ترتیب دادہ نظام کے مطابق ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ میں لاہور میں مقیم رہ کر پورے قرآن کریم کی تفسیر پڑھی۔

☆ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی سے استفادہ کیلئے ۱۹۳۲ میں چندماہ کا دارالعلوم دیوبند میں قیام کیا اور صحیح بخاری و سنن ترمذی کے اسباق میں شریک ہوئے اور ان سے تفسیر و علوم قرآن میں بھی استفادہ کیا‘ نیز شیخ اعزاز علی سے فقہ کا اور قاری اصغر علی صاحب سے روایت حفص کے مطابق تجوید کا درس لیا۔

علمی دعوتی زندگی

☆ ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس بنائے گئے اور تفسیر و حدیث اور ادب عربی و تاریخ و منطق کا درس دیا۔

☆ ۱۹۳۹ء میں دینی مراکز سے واقفیت کیلئے ایک سفر کیا جسمیں شیخ عبدالقادر رائے پوری اور مصلح کبیر مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے واقفیت حاصل ہوئی اور پھر ان سے مستقل ربط و تعلق رہا چنانچہ اول سے روحانی تربیت حاصل تھی اور دوسرے کا اتباع و اقتداء میں فریضۂ دعوت اور معاشرہ کی اصلاح کی انجام دہی کا کام کیا چنانچہ دعوت و تربیت اور اصلاح کیلئے مسلسل سفر کئے اور ان اسفار کا سلسلہ ایک زمانہ تک جاری رہا۔

☆ انجمن تعلیمات دین کے نام سے ۱۹۴۳ء میں ایک انجمن قائم کی اور اس میں قرآن کریم اور سنت نبویہ کے درس کی سلسلہ جاری کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ خاص طور سے تعلیم یافتہ اور ملازمت پیشہ طبقہ بڑی مقدار میں متوجہ ہوا۔

☆ ندوۃ العلماء مجلس انتظامی کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۴۵ء میں منتخب کئے گئے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تجویز پر ۱۹۵۱ء میں نائب معتمد تعلیم کی حیثیت سے متعین کئے گئے اور ۱۹۵۴ء میں علامہ کی وفات کے بعد حیثیت معتمد قرار پائے اور ۱۹۶۱ء میں برادر بزرگ ڈاکٹر عبد العلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے۔

☆ ۱۹۵۱ء میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی۔ ☆ ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام قائم کی۔ ☆ عربی میں سب سے پہلا مقالہ سید رشید رضا مصری کے مجلہ "المنار" میں ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا جو سید احمد شہید کی تحریک کے موضوع پر تھا۔

☆ اردو میں اولین کتاب و تالیف ۱۹۳۸ء میں بعنوان سیرت سید احمد شہید شائع ہوئی جو دینی و عوامی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اسلامیات کے نام سے بی۔اے۔ کے طلباء کیلئے نصاب و کورس مرتب کرنے کے لئے متعین کیا۔

☆ اور جامعہ ملیہ دہلی کی دعوت پر ۱۹۴۲ء میں جامعہ کے اندر ایک لکچر دیا جو بعد مین دین و مذہب کے نام سے طبع ہوا۔

☆ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کئی لکچرس دیئے جو " النبوة والانبياء في ضوء القرآن " کے نام سے شائع ہوئے۔

☆ ۱۹۶۸ء میں سعودی وزیر تعلیم کی دعوت پر ریاض تشریف لے گئے تاکہ كلية الشريعة کے نصاب و نظام کے جائزہ کے کام میں شریک ہوں اور اس موقع سے وہاں جامعة الرياض اور كلية المعلمين میں کئی لکچرس ہوئے۔

☆ ندوۃ العلماء سے عربی میں نکلنے والے پرچے "الضیاء" کی ادارت میں ۱۹۳۲ء میں اور اردو پرچے "الندوۃ" کی ادارت میں ۱۹۴۰ء میں شریک رہے اور ۱۹۴۸ء میں "تعمیر" کے نام سے بزبان اردو ایک پرچہ نکالنا شروع کیا۔ اور دمشق سے نکلنے والے پرچے "المسلمون" کے اداریے کی ذمہ داری ۵۸۔۱۹۵۹ء میں متعلق رہی، پہلا اداریہ بعد میں "ردۃ ولا ابا بکر لھا" کے نام سے شائع

ہوا جیسے کہ استاذ محب الدین خطیب کے پرچے "الفتح" میں بہت سے مقالات شائع ہوئے۔

☆ ۱۹۶۳ء سے لکھنؤ سے 'ندائے ملت' اردو میں نکلنا شروع ہوا تو اسکے شعبہ ادارت کی نگرانی متعلق رہی اور ندوۃ سے ۱۹۵۵ سے نکلنے والے عربی پرچے "البعث الاسلامی" اور ۱۹۵۹ء سے نکلنے والے عربی پرچے "الرائد" نیز ۱۹۶۳ء سے نکلنے والے اردو پرچے "تعمیر حیات ان تینوں کے نگران عام رہے۔

<u>اسفار</u>

☆ ۳۹ء میں لاہور کا سفر کیا جو دور دراز کے مقام کا سب سے پہلا سفر تھا وہاں شہر کے علماء و خواص سے ملاقاتیں کیں اور شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملے۔ اس سے پہلے مولانا ان کی بعض نظموں کا عربی میں ترجمہ کر چکے تھے۔

☆ ۳۵ء میں بمبئی کا سفر اس غرض سے کیا کہ دلتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈ کر کو اسلام کی دعوت دی جاسکے۔

☆ ۳۹ء میں ہندوستان کے دینی مراکز سے واقفیت کے لئے ایک سفر کیا۔

☆ ۴۷ء میں حج کا سفر کیا اور چند ماہ حجاز میں قیام رہا، یہ بیرون ملک سب سے پہلا سفر تھا۔

☆ مصر کا پہلا سفر ۵۱ء میں کیا جبکہ مولانا کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" مولانا سے پہلے ہی وہاں کے تمام علمی حلقوں میں پہونچ کر متعارف ہو چکی تھی اس لئے وہ خود مولانا کے لئے تعارف کا بہترین ذریعہ بنی۔

☆ فلسطین کا بھی سفر کیا تو بیت المقدس کی زیارت کی اور مسجد اقصیٰ کی بھی اور رمضان کے آخری دن وہیں گزارے۔ اور "مدینۃ الخلیل وبیت اللحم" کی زیارت کی واپسی میں اردن کے شاہ، شاہ عبداللہ سے ملاقات کی۔ ☆ ۵۶ء میں ترکی کا سفر کیا اس موقع سے دو ہفتے کا قیام رہا اسکے بعد کئی سفر ہوئے۔ ☆ کویت اور دول خلیج کا بار بار سفر کیا۔

☆ رابطۃ العالم الاسلامی کے وفد کی سربراہی میں افغانستان، ایران، لبنان، عراق کا سفر کیا

☆ ۷۶ء میں مغرب اقصیٰ کا سفر ہوا اور برما کا ۷۰ء میں جبکہ پاکستان کے اسفار بار بار ہوئے

☆ یورپ کا پہلا سفر ۶۳ء میں ہوا جس میں جنیوا، لندن، پیرس، کیمبرج و آکسفورڈ وغیرہ جانا ہوا اور اسپین سے اہم شہروں میں بھی اس سفر میں بہت سے عرب اور مغربی فضلاء سے ملاقتیں ہیں اور کئی لکچرس ہوئے۔ اس سفر کے علاوہ بھی یورپ کے سفر ہوئے بالخصوص ادھر آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کی وجہ سے باربار سفر ہوتا رہا۔ ☆ ۷۷ء میں امریکا کا پہلا سفر کیا اور دوسرا ۹۳ء میں۔ ☆ ۸۵ء میں بلجیم کا اور ۸۷ء میں ملائیشیا کا سفر ہوا اور ۹۳ء میں تاشقند و سمرقند وغیرہ کا سفر ہوا۔

اعزازات:

☆ دمشق کی "مجمع اللغۃ العربیۃ" کے مراسلاتی ممبر ۵۶ء میں قرار پائے۔

☆ رابطہ العام الاسلامی کی تاسیس و قیام کا پہلا اجلاس جو ۶۲ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا جس میں جلالہ الملک سعود بن عبدالعزیز اور لیبیا کے حاکم ادریس سنوسی بھی شریک تھے اس جلاس میں نظامت کے فرائض مولانا نے انجام دیئے۔

☆ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس و قیام کے وقت ۶۳ء سے اسکی مجلس شوری کے ممبر طے پائے اور اسکا نظام بدلنے تک برابر یہ منصب برقرار رہا۔

☆ رابطۃ الجامعات الاسلامیہ کے ممبر ابتداء سے رہے۔

☆ اردن کی مجمع اللغۃ العربیہ کے ۸۰ میں رکن بنائے گئے۔

☆ ۸۰ء میں اسلام کی خدمات پر فیصل ایوارڈ سے نوازے گئے۔

☆ کشمیر یونیورسٹی کیطرف سے ۸۱ء میں ادب میں P.H.D کی اعزازی ڈگری سے نواز ے، گئے

☆ آکسفورڈ کے مرکز دراسات اسلامیہ کے ۸۳ میں صدر بنائے گئے۔

☆ ۸۴ میں رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ کے قیام کے ساتھ اسکے صدر قرار پائے۔

☆ ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء میں اکسفورڈ اسلامک سنٹر کی طرف سے تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلے میں سلطان برونائی ایوارڈ سے نوازے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

روایت : حاجی عبدالرزاق (خادم خاص)
مولوی سید بلال حسنی ندوی، مولوی سید محمود حسنی ندوی
ترتیب : نذرالحفیظ ندوی

مرد مومن کا آخری سفر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا معمول یہ تھا کہ تہجد سے قبل بیدار ہو جاتے، استنجا اور وضو سے فارغ ہو کر نوافل کی نیت باندھ لیتے۔ کبھی چار، کبھی چھ، کبھی آٹھ رکعت پڑھتے، اس رمضان میں نوافل کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا، سحری ختم ہونے سے دس منٹ قبل سحری کھاتے، اس کے بعد کبھی تو ہاتھ اٹھا کر اور کبھی بغیر ہاتھ اٹھائے دعا فرماتے، اذان کے بعد فجر کی سنت پھر فرض کے بعد منزل پڑھتے اور لیٹ جاتے۔ آخری عشرہ میں فجر بعد جو لوگ واپس ہوتے وہ مصافحہ کے لئے حاضر ہوتے، انکو لیٹے لیٹے رخصت فرماتے اور دعائیہ کلمات کہتے رمضان کے دنوں میں کوشش فرماتے کہ ساڑھے نو بجے اٹھ جائیں استنجا اور وضو سے فارغ ہو کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر قرآن شریف کم از کم آدھا پارہ ورنہ عام طور پر ایک پارہ تلاوت فرماتے اسکے بعد سورہ یٰسین روزانہ گیارہ مرتبہ جمعرات کے دن تیرہ بار تلاوت فرما کر حضور اکرم ﷺ سے لے کر اس وقت تک کے تمام مجددین و مصلحین، مجاہدین اور اصحاب دعوت و عزیمت، ربانی و حقانی علماء اور اپنے اساتذہ اور محسنوں، اور عزیز واقارب اور عام مسلمانوں کو ایصال ثواب کرتے، اسفار میں جس شہر اور بستی سے گزرتے وہاں کے مدفون مسلمانوں کیلئے ایصال ثواب کا اہتمام فرماتے۔

جان لیوا مرض سے سنبھالا لینے کے بعد اہل تعلق کا یہ تاثر تھا کہ یہ عارضی صحت ہے کسی وقت بھی یہ دولت بے بہا ہم سے چھن سکتی ہے۔ خود حضرت والا بھی اس طرح کے جملے بڑے درد و کرب سے مختلف اوقات میں فرماتے تھے اللھم لقائك کبھی فرماتے، اب ہم بھی چلے، خدایا عاقبت محمود کر دی، کبھی فرماتے اے اللہ اب تو بلا لے، اس معذور کے ساتھ کب تک؟ ایک خادم سے مختلف وقتوں میں فرمایا تم پر کام کا بوجھ بہت ڈال دیتے ہیں بس کچھ ہی دن تک ہے۔

شعبان کا آغاز ہوتے ہی یہ سوال خدام اور حضرت کے معالجین کے درمیان گردش کرنے

لگا کہ رمضان کا مہینہ کہاں گذرے گا۔ڈاکٹروں نے اصرار کیا کہ ندوۃ میں گذرے ‘آخر میں حضرت والا کیے انشراح اور مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ رمضان سے قبل رائے بریلی جانا ہے ۔ چنانچہ ۲۷ شعبان کو تکیہ تشریف لائے ‘۲۸ کو قیام کر کے خلاف معمول مولوی سید بلال حسنی سے فرمایا کہ مجھے مسجد لے چلو ‘مسجد کے صحن میں جانماز بچھادی گئی۔ دو رکعت نماز ادا کی پھر مسجد کے اندرونی حصے میں تشریف لے گئے وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی ‘پھر فرمایا کہ ندی کی طرف لے چلو‘ چنانچہ جہاں نئے زینے بنے ہیں وہاں کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ فرمایا۔ ماشاء اللہ ‘ماشاء اللہ اسکے بعد فرمایا کہ مسجد کی پشت پر لے چلو‘ جہاں سید صاحب کے زمانہ کا ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ تھکان کے خیال سے یہ فرمائش نہیں پوری کی گئی۔ مسجد سے نکلتے وقت سامنے ہی شاہ علم اللہ کا روضہ ہے جہاں محبوب والدین اور بھائی بہن کے علاوہ بھی گنجہائے گراں مایہ دفن ہیں۔ وہیں زینہ کے پاس ٹیک لگا کر کھڑے کھڑے دیر تک ایصال ثواب کرتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر تھکان کے باوجود گھر کے اندر تشریف لے گئے جہاں گھر کی تمام مستورات جمع تھیں‘ مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی بھی موجود تھے۔ پندرہ منٹ کے بعد گھر سے واپس بنگلہ پر تشریف لے آئے۔ بعد ظہر آرام کر کے اول وقت عصر کی نماز پڑھی پھر گھر تشریف لے جاکر ملاقات کی‘ اور لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ پہلا روزہ شروع ہوا تو فرمایا معلوم نہیں پورا رمضان ملتا ہے یا نہیں۔ اے اللہ! تو پورے رمضان کی برکتوں سے نواز دے۔ وطن میں آخری عشرہ گزارنے کے بارے میں حضرت والا نے اپنے معالجوں سے اجازت لی تھی۔ ڈاکٹر نظر‘ ڈاکٹر عبدالمعبود خان‘ ڈاکٹر سید قمر الدین اور ڈاکٹر کرنل شمسی اس مشورہ میں شریک تھے۔ ۲۰ رمضان ۲۹ دسمبر کو رائے بریلی ایک بڑے قافلہ کیساتھ روانگی ہوئی۔ یاں معتکفین سے مسجد بھر گئی۔ پہلے دن حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ مسجد میں کتنے لوگ ہیں۔ مولوی سید بلال حسنی نے عرض کیا کہ مسجد بھر گئی ہے۔ فرمایا ”بانی کا اخلاص ہے۔“ آخری شب تراویح کے بعد ساڑھے نو بجے مجلس میں معمول کے مطابق تشریف فرما تھے مختلف سوالات کے جوابات دیئے‘ دمشق سے چھپ کر حضرت والا کی جو تصنیفات آئی تھیں انکو دیکھکر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے لکھوائی ہیں ایک خادم نے جو باہر کے دورے سے حاضر ہوئے تھے ‘حضرت کو جب یہ اطلاع دی کہ ایک صاحب خیر نے ستائیس ہزار ڈالر ترکی کے ایک ناشر اور

مترجم کو دی ہیں کہ وہ حضرت کی تمام تصنیفات شائع کر کے ترکوں میں مفت تقسیم کریں۔ تو اس خبر پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ مجلس میں العاقبۃ للمتقین سے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ عاقبت مذموم بھی ہوتی ہے اور محمود بھی آخر میں استفسار فرمایا کہ کیا کل جمعۃ الوداع ہے؟

وصال کے دن بھی مذکورہ بالا روزانہ کے تمام معمولات پورے فرمائے۔ ساڑھے نو بجے بیدار ہو کر استنجاء خانہ گئے۔ وضو کے بعد نوافل پڑھے پھر قرآن شریف کی تلاوت کی' سجدہ تلاوت بھی کیا' لکھنؤ میں قرآن مجید ختم کر چکے تھے تیرھواں پارہ آخری دن پڑھا' بھائی صابر جو برسوں سے حضرت کا خط بناتے آئے تھے ان سے خط بنوایا' اسکے بعد نہانے کی تیاری کی' بھائی ذکاء اللہ خان ندوری راوی ہیں: غسل خانہ جانے سے پہلے سوال کیا کہ کیا آج بائیس رمضان ہے۔ پھر فرمایا کہ کیا نماز جمعہ پندرہ منٹ تاخیر سے ہو سکتی ہے۔ بھائی عبدالرزاق نے عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو تاخیر سے نماز ہو گی' ساڑھے گیارہ بجے غسل کے لئے تشریف لے گئے پندرہ منٹ بعد غسل سے فارغ ہو کر آگئے۔ کپڑے زیب تن کئے۔ شیروانی کے بٹن مولوی سید بلال حسنی نے لگائے۔ فرمایا کہ تم لوگ تیار ہو جاؤ' نماز میں پندرہ منٹ تاخیر کرادو' فرمایا کہ اب ہم سورۃ کہف پڑھیں گے (اس سورۃ کے پڑھنے کا معمول آٹھ سال کی عمر سے تھا) یہ فرما کر بستر پر بیٹھ گئے، لیکن بجائے سورۃ کہف پڑھنے کے سورۃ یٰسین پڑھنے لگے' اندازہ ہے کہ دس بارہ آیتیں ہوئی ہونگی کہ زبان رک گئی جس طرح بیٹھے تھے اس سے تھوڑا سے پیچھے کی طرف جھک گئے' مولوی بلال حسنی نے سر کو اور خادم خاص بھائی عبدالرزاق نے پاؤں اٹھا کر تخت پر لٹا دیا' ڈاکٹر سید قمر الدین اور ڈاکٹر عبدالمعبود خان قریب ہی تھے' آکسیجن لگائی گئی۔ انجکشن جب رگوں میں نہیں لگ سکے تو کولھے میں لگائے گئے۔ ڈاکٹر قمر الدین صاحب نے ایک انجکشن دل پر لگایا' ہاتھ سے قلب کی مالش کی اور منہ سے ہوا بھی بھرنے کی کوشش کی' لیکن راہ حق کا یہ مسافر روانہ ہو چکا تھا اس وقت بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور محبین واہل تعلق کے قافلے دیوانہ وار رائے بریلی پہونچنا شروع ہو گئے۔

غسل دینے میں حسب ذیل حضرات شریک تھے' مولوی سعید بنوندوی (جنوبی افریقہ) جو رمضان گزارنے آئے تھے حضرت کے مجاز بھی ہیں' خادم بھائی عبدالرزاق' سید حسن عسکری طارق صاحب (مدینہ منورہ) مولوی سید بلال حسنی ندوی' حضرت کے کاتب خاص مولوی نثار الحق

ندوی ‘ مولوی نیاز احمد ندوی بھی شریک ہو گئے۔ اور اس موقع پر مولانا محمد سید رابع حسنی ندوی ‘ مولوی سید سلمان حسینی ندوی ‘ مولوی عبداللہ حسنی ندوی موجود تھے اور بھائی عبدالمجید (خادم) عزیزان محمود حسنی ‘ محمد معاذ کاندھلوی اور سید شارق سلمہم موجود رہ کر معاونت کر رہے تھے۔

بعد مغرب سات بجے سے پونے دس بجے تک آخری دیدار کرنے والوں کا ہجوم رہا۔ جو بتدریج بڑھتا ہی جا رہا تھا ‘ نماز جنازہ کا اعلان دس بجے کیا گیا چنانچہ ٹھیک پونے دس بجے جنازہ اٹھایا گیا دو منٹ کا راستہ پچیس منٹ میں طے ہوا ، مسجد کے اندر منبر کے قریب جنازہ رکھا گیا ‘ مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ساڑھے دس بجے جنازہ قبر میں اتارا گیا ‘ قبر میں جن لوگوں نے جنازہ اتارا ان میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مولوی سید عبداللہ حسنی ندوی ‘ خادم خاص بھائی عبدالرزاق تھے اور سید بلال حسنی لکڑی کے پٹرے لگا رہے تھے۔ محبوب منصور پوری پٹرے دے رہے تھے آخری پٹرا لگانے سے پہلے کسی نے توجہ دلائی کہ کفن کا بند کھولا نہیں جا سکا چنانچہ مولوی بلال حسنی نے قبر میں اتر کر بند کھول دیا ‘ پھر آخری پٹرا بھی لگا دیا گیا۔ تدفین روضہ شاہ علم اللہ میں ہوئی جہاں آخری جگہ باقی تھی۔

مجمع غیر معمولی تھا ‘ ساڑھے آٹھ بجے تھانیدار ایس پی کو رپورٹ دے رہا تھا کہ پونے دو لاکھ آدمی آ چکے ہیں اور جوں جوں نماز کا وقت قریب آ رہا ہے (موسم کی سختی ‘ سردی اور شدید کہرے کے باوجود) آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ‘ اور سلسلہ تو تدفین کے بعد تک جاری رہے ‘ دور دراز کی گاڑیاں سحر تک آتی رہیں۔　ع　آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

حادثہ جمعہ کو پیش آیا ‘ جمعرات کو ڈاکٹر عبادالرحمان نشاط صاحب نے (جو حضرت کے مجاز بھی ہیں) حج کے سفر کی بات رکھی تھی حضرت نے منظور فرما لیا تھا اور ارادہ کر لیا تھا۔ اسکی بھی حضرت کو بڑی فکر تھی کہ روپے پیسے جمع نہ رہیں جو آ رہا ہے جاتا رہے اس کیلئے بار بار بھائی عبدالرزاق کو آواز دیتے اور مولوی بلال اور مولوی محمود کو بھی تاکید کی کہ جہاں مناسب سمجھو بتا دو ہم دینگے۔ اس طرح حضرت حج کے سفر کی نیت کر کے ‘ اور روزے کی حالت میں ‘ نماز کی تیاری اور انتظار میں دیتے دلاتے اور اپنی عملی زندگی سے زہد و عبادت ‘ واستغناء اور تعلق مع اللہ کی دعوت دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سید رضوان علی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

نہ صرف ہندوستان اور برصغیر اور نہ صرف عالم عرب بلکہ پورا عالم اسلام جمعہ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹' کو ایک ایسی عظیم شخصیت سے محروم ہو گیا۔ جو مجسم خیر و برکت تھی عالم اسلام کیلئے ایک روشنی تھی اس روشنی کی کرنیں نہ صرف عالم اسلام کو منور کر رہی تھیں بلکہ یورپ و امریکہ میں بھی وہ اپنی ضیاء پوشی کر رہی تھیں چودہ پندرہ سال قبل آکسفورڈ یونیورسٹی میں مولانا مرحوم کا قائم کردہ اسلامک ریسرچ سنٹر اسکا گواہ ہے اور اس سے کافی قبل مولانا نور اللہ مرقدہ کے جنیوا کے اسلامک سینٹر کے دورے جو مرحوم مصری اخوانی لیڈر ڈاکٹر سعید رمضان نے ساٹھ کی دہائی میں جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں قائم کیا تھا اور جسکی مجلس انتظامیہ کے مولانا ایک اہم اور ایکٹو ممبر تھے اور جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے جس کا ایک دورہ مولانا مرحوم کافی پہلے ستر کی دہائی میں کر چکے تھے وہاں آپ کی اسلامی تعمیری فکر عام ہے اور روحانی فیض بھی جاری ہے کہ مولانا کی تصنیفات انگریزی میں عام ہیں اور ہر گھر کی زیب و زینت 'اسی طرح آپ سے ذاتی تعلق رکھنے والے بھی دنیا کے ہر خطہ میں پائے جاتے ہیں اس طرح ایمان و یقین اور للّٰہیت و عبودیت کا جو چراغ آپ نے ہندوستان میں روشن کیا تھا وہ آپ کی تصنیفات اور آپ کے معتقدین و متوسلین کے واسطے سے دنیا کے تقریبا ہر خطے میں روشن ہے۔

مولانا مرحوم حسنی سادات کی ایک مشہور و متبرک شاخ سادات قطبیہ کے چشم و چراغ تھے آپ کے جد اعلی کبیر الشیخ قطب الدین المدنی (وفات ۶۷۷ھ) ساتویں صدی ہجری کے نصف اول میں اپنے رفقاء کیساتھ بغداد سے براہ غزنی ہندوستان تشریف لائے یہ وہ زمانہ ہے جب تاتاریوں کے ایران و ماوراء النہر اور پھر عراق پر حملوں اور تاراجی سے مجبور ہو کر کتنے ہی خاندان

سادات وغیر سادات بغداد اور عراق کے دوسرے شہروں سے ہندوستان آئے جو اس وقت دہلی میں خاندان غلامان کی ترک اسلامی حکومت کے سبب عراق و عجم کے لٹے پٹے مسلمانوں کیلئے ایک ملجا و ماویٰ Safe Haven تھا۔ یہاں امیر قطب الدین اپنے علوئے نسب اور شرف فضیلت کے سبب شیخ الاسلامی کے عہدے پر فائز ہوئے پھر آپ نے اس وقت کی بڑھتی ہوئی مسلمان حکومت میں جہاد کا فریضہ بھی انجام دیا آپ کی قیادت میں موجودہ ضلع الہ آباد (بھارت) میں کرناٹک پور کا علاقہ فتح ہوا جو سلطان دہلی نے آپ کو بطور جاگیر عطا کیا آپ کی قبر آج بھی وہاں موجود ہے۔

ان کے بعد ان کی ذریت میں سے ایک بزرگ الشیخ علم اللہ عالمگیر کے عہد میں ۱۶۷۳ء میں اپنے آبائی علاقے سے رائے بریلی (موجودہ اتر پردیش بھارت) شہر سے باہر ایک دریا سیٹی کے کنارے آکر آباد ہوئے آپ نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی جو آج بھی آباد و پر رونق ہے۔ عالمگیر بادشاہ نے الشیخ علم اللہ کو جاگیر دی لیکن انہوں نے قبول نہیں کی اور درویشانہ زندگی کو ترجیح دی اسطرح سادات کے اس خاندان میں سیاست و امارت کی بجائے اب زہد و درویشی اور علم و تصوف کا چرچا شروع ہوا۔ خود شاہ علم اللہ مشہور صوفی بزرگ حضرت آدم بنوری کے خلیفہ ہیں۔

شاہ علم اللہ کے تقریباً ایک سو سال بعد اس خاندان میں برصغیر کی عظیم ترین مجاہد شخصیت یعنی سید احمد شہید رائے بریلوی پیدا ہوئے جن کی ذات فروسیت و عسکریت اور للّٰہیت و روحانیت کی جامع تھی جہاں لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت دکھائی وہاں انہوں نے ہندوستان کے اس دور دراز علاقے میں اپنے مریدین و جانثاروں کیساتھ سرحد پاکستان کے علاقے میں براہ سندھ و افغانستان آکر سنت جہاد زندہ کی۔ پشاور اور سرحد کے دوسرے علاقوں کو سکھوں کے تسلط سے آزاد کرایا اور ہندوستان میں آنے والے اپنے پہلے جد امجد سید عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الزکیہ الشہید بن عبداللہ المحض سید حسن مثنیٰ بن سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اس سرزمین ہند میں اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جان قربان کی۔

پاکستان پر اس حسنی خاندان کے دو احسانات ہیں ایک سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے سید عبداللہ الاشتر کی ۱۴۵ھ میں سندھ میں آمد اور یہاں ان کی شہادت (ان کی لاش عباسی

حکومتِ وقت کے خوف سے سندھ میں بہادی گئی تھی) عبداللہ غازی کے مزار کو عبداللہ الاشتر کا مرقد کہنا سراسر غلط ہے (دیکھئے مصنف کی تازہ کتاب تحقیقات و تاثرات میں عبداللہ غازی سے متعلق مقالہ) اور دوسرے سید احمد شہید کی بالاکوٹ میں شہادت (۱۸۳۱ء)

سید احمد شہید کے بعد انکی اس آبائی بستی کی اہمیت بہت بڑھ گئی جو تکیہ کے نام سے مشہور ہوئی (تکیہ خانقاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) اس خاندان میں علم و فضل کا چرچا تسلسل کے ساتھ رہا مولانا مرحوم کے دادا سید فخر الدین خیالی اپنے وقت کے ایک روشن ضمیر مصنف اور شاعر تھے آپ نے مہر جہانتاب لکھی۔ مولانا مرحوم کے والد مولانا حکیم عبدالحئی حسنی بر صغیر کے ایک انتہائی مشہور مورخ وادیب تھے جن کی اردو ادب کی تاریخ گل رعنا بر صغیر کے ادبی اور جامعاتی حلقوں میں مشہور اور آٹھ ضخیم جلدوں میں انکی عربی کتاب نزہۃ الخواطر بر صغیر کی ایک بے مثال اور ضخیم ثقافتی سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے جس میں بر صغیر کی تمام اہم شخصیتوں کا صدی بصدی ذکر ہے اسکے کچھ حصوں کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے مولانا حکیم عبدالحئی حسنی صاحب شبلی نعمانی کے رفقاء میں تھے اور ندوۃ العلماء کے تاحیات ناظم رہے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں اس خاندان کے کچھ افراد میں انگریزی و عصری علوم کا شوق پیدا ہوا بعض لوگ انگلستان سے بیرسٹر ہو کر آئے اور ایک صاحب امریکہ سے انجینئرنگ پڑھ کر اور کام کر کے آئے لیکن شرافت کے اثر سے دین کا چرچا خاندان میں باقی رہا خود مولانا مرحوم کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے لکھنو کے مشہور کیٹنگ کالج سے ایم بی بی ایس کیا اور ساتھ ہی حکمت پڑھی۔ اور دیوبند میں حدیث کی تعلیم حاصل کی اور اپنی وفات تک مطب کرتے رہے مرحوم اپنے والد کی جگہ ندوۃ العلماء کے ناظم بھی منتخب ہوئے اور آخر تک اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتے رہے انکی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کی نظامت مولانا علی میاں مرحوم کے حصہ میں آئی۔

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے قیام انیسویں صدی کے اواخر میں بر صغیر کے کچھ دردمند اور دقیقہ رس علماء کو دین و دنیا کی تعلیم میں پائی جانے والی اور

بڑھتی ہوئی خلیج کے اثرات بد کا اندیشہ لاحق ہوا اور انہوں نے ایک ایسی علمی انجمن قائم کرنے کا عزم کیا جو دین و دنیا کی جامع اور ہمہ گیر تعلیم کا منصوبہ بنانے اور اس کو عملی جامہ پہنائے اس طرح مولانا محمد علی مونگیری اور دوسرے علماء کے اشتراک سے جن میں حکیم مولانا عبدالحئ حسنی مولانا شبلی نعمانی بھی شریک تھے ندوۃ العلماء کی انجمن ۱۸۹۳ء میں قائم ہوئی اور پھر اس ندوۃ العلماء (جسکو اختصار کے ساتھ ندوہ کہا جاتا ہے) نے ۱۸۹۸ء میں ایک دارالعلوم کی بنیاد لکھنؤ میں ڈالی یہ چھوٹا سا ابتدائی مدرسہ مولانا شبلی نعمانی کے عہد سے ترقی کرتے کرتے اب ایک عظیم الشان اسلامک عربک یونیورسٹی ہے جس میں عربی ادب تفسیر‘ حدیث فقہ کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں اور ان اسلامی علوم پر دہاں تخصص کی ڈگری دی جاتی ہے اس طرح ندوۃ مولانا مرحوم کے خاندان اور خاص طور پر مولانا علی میاں مرحوم کے ذاتی اثر و رسوخ اور خلوص و جد و جہد کی ایک جاگتی تصویر ہے۔ ندوۃ نے جو ترقی مولانا مرحوم کے عہد میں کی وہ اس سے قبل نہ ہوئی ساؤتھ ایشیاء میں اس مرتبہ کی کوئی دینی درسگاہ نہیں۔ مولانا علی میاں مرحوم ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے اس طرح وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ آپ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے کیونکہ جب آپکی عمر ۹ سال کی تھی تو آپ کے والد کا انتقال ہوا مولانا مرحوم کی تعلیم و تربیت انکے محبوب و شفیق بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کی زیر نگرانی ہوئی اور ایک مخصوص طریقہ پر یعنی آپ کو ایک ایک علم کی مستقل اور علیحدہ تعلیم دی گئی پہلے عربی پھر قرآن و تفسیر پھر حدیث پھر فقہ۔ آپ نے عربی اپنے زمانے کے مشہور استاد خلیل عرب صاحب سے اور کافی بعد مراکش کے ڈاکٹر تقی الدین ہلالی سے حاصل کی۔ مولانا مرحوم کا گھرانہ علم و ادب اور دینداری و للّٰہیت کا گھرانہ تھا جس میں خدا پرستی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بہت رواج تھا مولانا مرحوم کے دادا اور والد کی تصنیفات کا ذکر ہو چکا ہے۔ مولانا مرحوم کی والدہ سیدہ خیر النساء حافظہ قرآن شاعرہ اور مصنفہ تھیں اسی طرح مولانا کی ایک بہن لمۃ اللہ تسنیم جن کی حدیث میں کتاب زاد راہ (ترجمہ ریاض الصالحین عربی) بہت مشہور ہے۔

مولانا مرحوم کی اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز سولہ سال کی عمر میں ہوا جب آپ نے سید احمد

شہید پر عربی میں ایک مقالہ لکھا اور یہ مقالہ کتابی شکل میں مصر میں چھپا اور وہاں کے علماء نے اسکی داد دی۔ مولانا مرحوم کی پہلی اردو کتاب سیرت سید احمد شہید ۱۳۴۹ھ میں چھپی جب آپکی عمر صرف ۲۵ برس تھی اور اس نے ملک کے مشہور علماء و بزرگان دین سے خراج تحسین حاصل کیا جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں اسکے بعد سے تو مولانا مرحوم کے قلم سے تصانیف کا ایک سیل رواں تھا جو زندگی کے آخری ایام تک موجیں مارتا رہا۔

آپ کی زندگی کے علمی و عملی وروحانی پہلو اتنے متنوع اور کثیر تعداد میں ہیں کہ ایک دو مضمونوں میں انکا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے انکی زندگی میں ان پر اردو عربی میں متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی۔ مولانا علی قاسمی کی کتاب ”مولانا ابوالحسن علی ندوی مشاہیر امت کی نظر میں“ طبع ہو چکی ہے اور اسی طرح گزشتہ سال دمشق سے عربی زبان میں ایک نوجوان ہندوستانی مصنف عبدالماجد الغوری الندوی کی ابو الحسن علی الحسینی الندوی، الامام المفکر والداعی الادیب“ چھپی ہے۔ تازہ ترین کتاب مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے ”میر کارواں“ ہے۔ جس میں مولانا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

راقم کا ذاتی تعلق مولانا مرحوم سے پورا ترپن سال پرانا ہے یہ تعلق جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا تادم وفات قرب وبعد کے ساتھ جسمانی یا تحریری طور پر قائم رہا۔ مولانا مرحوم کی شفقت و رفاقت مجھے لکھنؤ رائے بریلی مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، ریاض، دمشق، کراچی، لاہور میں حاصل رہی اور انگلستان اور لیبیا اور پاکستان سے برابر مراسلت رہی۔ میں نے اپنی زندگی میں ہندوستان پاکستان اور مصر و شام اور حجاز میں بہت سے علماء و بزرگوں کو دیکھا ہے لیکن میری نظر میں مولانا مرحوم جیسے کوئی نیک نفس، عالی حوصلہ، قناعت پسند، شفیق و دردمند، بلند نظر، بلند ہمت، صاحب دل، صاحب قلم نہیں دیکھا۔

مولانا کی تصنیفات کی تعداد ۱۷۶ ہے ایک نوجوان ندوی مصنف طارق زبیر نے مولانا کی تصنیفات کی ایک فہرست گزشتہ سال شائع کی ہے جس میں یہ تعداد و تفصیل مذکور ہے۔

مولانا کی مشہور ترین تصنیف وہ ہے جو آپ نے ۱۹۴۷ء میں عربی زبان میں لکھی تھی یعنی "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اسکا اردو ترجمہ مسلمانوں نے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا عربی اصل سے قبل چھپ چکا تھا جو مولانا مرحوم کے ہی قلم سے تھا۔ اصلی عربی کتاب مصر کے ایک مشہور علمی ادارے لجنۃ التالیف والترجمه والنشر کی طرف سے ۱۹۵۰ء میں چھپی اور اس نے سارے عالم عرب سے خراج تحسین حاصل کیا۔ بہت سے عرب مصنفین کے بقول بیسویں صدی کی یہ سب سے زائد چھپنے والی عربی کتاب ہے۔ میر کارواں کے مصنف کے بقول اب تک اسکے ستر قانونی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں غیر قانونی اسکے علاوہ ہیں یہ کتاب مولانا مرحوم کے بقول مصر شام وسوڈان کے پہلے سفر میں انکا وزیٹنگ کارڈ تھا۔ مولانا مرحوم کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بہت سے ممالک کی عرب یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہے اسکا انگریزی، فارسی، ترکی، انڈونیشی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی ترجمہ کا نام "اسلام اینڈ دورلڈ" ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ تاریخ ساز کتاب ہے۔ مولانا کی دوسری انتہائی اہم اور حوالہ (ریفرنس) کی کتاب اردو میں تاریخ دعوت وعزیمت ہے جو سات جلدوں اور چھ اجزاء میں لکھنو اور کراچی سے شائع ہوئی ہے اور برابر چھپ رہی ہے اسمیں مولانا مرحوم نے عالم اسلام کے ان ہستیوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ہر دور میں اسلام کی خدمت اور اس کے پیغام کو تازہ کرنے کا کام انجام دیا۔ یہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر سید احمد شہیدؒ پر ختم ہوتی ہے اس آخری جزو کی دو جلدیں ہیں یہ عربی زبان میں بھی چار جلدوں میں دمشق سے شائع ہو چکی ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنی تصنیفات میں تحقیق وجستجو کا وہ معیار قائم رکھا ہے جس کی بناء شبلی وسلیمان ندوی نے ڈالی تھی بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق اسکو کچھ مزید ترقی دی ہے مولانا مرحوم نے اپنے زمانے اور ما قبل کے بہت سے بزرگوں کے سوانح عمریاں بھی لکھی ہیں جس میں تذکرہ مولانا فضل الرحمان گنج مراد بادی، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا محمد الیاسؒ اور انکی دینی دعوت، سوانح مولانا محمد یعقوب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ کی کتاب ارکان اربعہ نماز روزہ حج زکوۃ بھی اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے اسکا بھی

عربی ترجمہ ہو چکا ہے۔ پرانے چراغ تین جلدیں ان لوگوں کے سوانحی خاکے ہیں جن کو مولانا نے دیکھا اور جن سے رفاقت رہی۔ تاریخ کے علاوہ یہ ادب کی انتہائی معیاری کتاب ہے۔ مولانا مرحوم کی عربی نثر کی دل آویزی اور اثر انگیزی کے سارے عرب ادیب معترف ہیں اور اسی طرح اردو نثر کی معترف آل احمد سرور اور مرحوم ڈاکٹر ابولیث جیسی شخصیات رہی ہیں مولانا کے یورپ امریکہ اور عالم عرب کے سفرنامے بھی خاصے کی چیز ہیں آخر میں مولانا نے خود آپ بیتی کا سلسلہ "کارواں زندگی" کے عنوان سے شروع کیا۔ جس کی سات جلدیں چھپ چکی ہیں وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل مولانا مرحوم نے مجھے ساتویں جلد کی اشاعت کی خبر دی تھی مجلس نشریات اسلام کا ادارہ جس نے مولانا مرحوم کی بیشتر اردو کتابیں شائع کیں کاروان زندگی کی چھ جلدیں شائع کر چکا ہے۔

مولانا مرحوم کی آپ بیتی صرف اپنی ذات کی داستان نہیں بلکہ یہ عالم عرب‘ ہندوستان‘ یورپ و امریکہ اور خاص کر پورے عالم اسلام اور مسلمانان عالم کی داستان ہے۔ ہندوستان کے اسلامی مورخ کے لئے تو اس میں بے انتہا علمی سرمایہ ہے۔

عالم عرب کے بہت سے فرمانراؤں خصوصا سعودی عرب کے حکمرانوں سے مولانا کا ناصحانہ تعلق رہا شاہ فیصل سے آپ کی متعدد ملاقاتیں اور مراسلت رہی اسطرح ملک سعود بن عبدالعزیز‘ اردن کے ملک عبداللہ مرحوم اور پاکستان کے صدر ضیاالحق مرحوم ہیں جو مولانا سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے‘ مولانا عالم اسلام کی تنظیموں کے رکن اساسی یا ممبر تھے آپ رابطہ عالم اسلامی‘ مسلم ورلڈ لیگ مکہ و مدینہ اسلامک یونیورسٹی کے فاؤنڈر ممبر تھے اسی طرح دمشق کی عرب اکیڈمی‘ اسلامی انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد فقہ اکیڈمی جدہ وغیرہ۔ آپکا یورپ میں اہم کارنامہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی ریسرچ سنٹر قائم کرانا تھا جو ۱۴ سال قبل بعض عرب شخصیات اور یونیورسٹی کے تعاون سے قائم ہوا اور جس کے مولانا چیئر مین رہے اسی طرح آپ نے رابطہ ادب اسلامی قائم کیا جس کے جلسے ترکی اردن اور پاکستان وغیرہ میں ہوتے رہے۔

مولانا مرحوم عملی سیاست کے آدمی نہیں تھے لیکن ہندوستان میں جب اسلام اور مسلمانوں پر برا وقت پڑا تو مولانا مرحوم پوری قوت اور تندہی کیساتھ اس کیلئے سرگرم ہو گئے۔

اپنے دوسرے رفقاء کیساتھ فسادات اور ہندوؤں کے مظالم سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے مسلم مجلس مشاورت قائم کی جس سے قبل اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر مولانا نے جمشید پور کا دورہ کیا جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا اور پوری ہمت و حکمت کیساتھ ہندوستانی حکومت کو اس پر متنبہ کیا، تعلیم میں جب ہندوانہ افکار و اصنام پرستی کی آمیزش شروع ہوئی تو مولانا نے اس کیلئے مسلم تعلیمی کونسل کی سربراہی قبول کی اور اپنی تقریروں اور دوروں سے سارے ہندوستان میں اس کیلئے کام کیا۔

مسلم پرسنل لاء کو جب ہندوستان میں یونی فائنڈ پرسنل لاء کی آوازیں بلند ہوئیں تو شاہ بانو کیس کے سلسلے میں آپ دوسرے مسلمان لیڈروں کے ساتھ سینہ سپر ہوئے اور ان وفود کی قیادت کی جو راجیو گاندھی سے ملا اور بالآخر ۱۹۸۶ میں ہندوستان کی پارلیمنٹ نے مسلمانوں کے پرسنل لاء کی خود مختاری کا قانون پاس کیا۔ غرض مولانا مرحوم عرب ممالک اور خاص طور پر سعودی عرب میں اپنی دعوتی اور علمی مصروفیات کے باوجود بھرپور طریقے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی عملی خدمت کرتے رہے۔ مولانا نے کبھی بھی کسی حکمران سے کوئی ہدیہ کوئی مدد قبول نہیں کی۔ وہ درویشی واستغنا کا پیکر تھا انہوں نے کافی عرصہ قبل شاہ فیصل ایوارڈ کی کثیر رقم وہیں سعودی اداروں اور جہاد افغانستان میں دی تھی (۱۹۸۰ء) گزشتہ سال رمضان میں امارات کی حکومت کی طرف سے انکو ایک کروڑ چالیس لاکھ کا ایوارڈ ملا۔

مولانا مرحوم نے اپنے پاس اس رقم سے ایک پیسہ بھی نہیں رکھا بلکہ سب ہندو پاکستان کے علمی و دینی اداروں کو دیا۔ مولانا علماء اور دینی حلقوں کی طرح مشرق و مغرب کی نئی نسل میں بھی انتہائی محبوب شخصیت تھے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں عالم اسلام میں مولانا مرحوم سے زیادہ کوئی مقبول و محبوب شخصیت نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی قبر پر انوارات کی بارش کرے اور آپ کو فردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اور آپ کے فیوضات کو قائم و دائم رکھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

تحریر : ڈاکٹر محمود الحسن عارف

عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیت، مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

(اپنی شخصیت اور کارناموں کے تناظر میں)

عین اس وقت جب مسلمان بائیسویں شب مبارک کو نماز تراویح ادا کرنے میں مصروف تھے اور مغربی دنیا نئی صدی کے طلوع ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھی، عالم اسلام کو ایک صدی تک اپنی تحریروں اور اپنی تقریروں کے ذریعے روشنی دینا والا، ایک اور سورج ڈوب گیا...... یہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی تھے جو اسی شب عالم فانی کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر، عالم اسلام کو افسردہ کر گئی، اور بہت سی آنکھوں کو شبنم کے قطروں کا تحفہ دے گئی، اس خبر نے قلم کی طاقت چھین لی، الفاظ کی تاثیر ماند کر دی، اور عالم اسلام کو بجھتے ہوئے چراغوں کی لو مزید کم کر دی۔

مولانا ابو الحسن علی ندوی کو بہت سی سعادتیں ورثے میں ملیں اور بہت سی سعادتیں انہوں نے اپنی محنت اور اپنی غیر معمولی لیاقت سے حاصل کیں.......... آپ کو قدرت نے جس غیر معمولی خاندان میں پیدا کیا اس خاندان میں علم کئی پشتوں سے متعارف تھا۔ آپ خاندانی اعتبار سے حسنی اور حسینی سید تھے، مولانا کے دادا مولانا حکیم فخر الدین خیالی، فارس کے معروف مصنف اور شریعت و طریقت کے جامع بزرگ تھے مولانا کے والد محترم حکیم سید عبدالحئ، اسلامی ھند کے وسیع النظر محتاط اور سنجیدہ بیان مصنف تھے ...... انہوں نے عربی میں 'الھندی فی العبد الاسلامی' اور نزھۃ الخواطر (۸ جلدیں) جیسی کتابیں اور اردو میں گل رعنا اور تاریخ گجرات جیسی تصانیف مرتب اور مدون فرمائیں...... مولانا کی والدہ ماجدہ خیر النساء قرآن مجید کی حافظہ، امور خانہ داری میں طاق، اور اردو زبان و ادب میں موزوں طبیعت رکھنے والی خاتون تھیں۔ بہتر تخلص کے ساتھ، مناجات اور دعائیں پر مشتمل عمدہ شاعری کرتی تھیں، مولانا انکے اکلوتے بیٹے تھے۔ انکی دو بہنیں بھی صاحب علم و فضل خواتین تھیں۔ ان میں سے ایک نے جن کا نام امۃ اللہ

تسنیم تھا ریاض الصالحین (عربی) کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اور بچپن کی قصص الانبیا تالیف کی دوسری ہمشیرہ کی تمام اولاد علم و فضل میں عالمگیر شہرت کی حامل ہے۔

مولانا نے اس خاندان میں ۱۳۳۳ھ / 1914ء کو آنکھ کھولی۔ نو برس کی عمر میں والدہ کی شفقت سے محروم ہو گئے، اسی طرح تربیت کی ذمہ داری والدہ کے علاوہ مولانا کے چچا ڈاکٹر (ایم بی بی ایس) سید عبدالعلی کے کندھوں پر آن پڑی جو انہوں نے بڑی ذمہ داری کیساتھ سرانجام دی۔

مولانا کو قدرت نے بڑا نکتہ رس ذہن عطا فرمایا تھا اسکے ساتھ ساتھ انہیں جن بزرگوں کی شفقت ملی اس سے معاملہ سونے پر سہاگے کا ہو گیا۔ مولانا نے قرآن مجید اور ابتدائی فارسی کتب اپنے مسکن رائے بریلی میں اپنے خاندان کے بزرگوں سے پڑھیں۔ صرف و نحو اور ادب و درسیات کو شیخ خلیل بن محمد الیمنی سے سیکھا۔ جو 'شیخ عرب' کہلاتے تھے۔ شیخ، مولانا کو پڑھاتے وقت عربی میں گفتگو کرتے اس طرح مولانا کو ابتدائی عمر سے ہی عربی زبان میں گفتگو کرنے اور عربی بولنے کی تربیت حاصل ہو گئی جو تمام عمر انکی شخصیت کا ایک امتیازی وصف رہی مولانا نے اپنا یہ تجربہ ہند میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے تعلیمی نصاب میں بھی دہرایا اور اسکے نتائج بہت حوصلہ افزا رہے۔

کم عمری میں مولانا نے لکھنؤ سے 'فاضل ادب' کا امتحان دیا جس میں دوسری مرتبہ کوشش کے بعد ۱۹۲۹ء میں کامیابی حاصل کی...... ۱۹۳۰ء میں اسی جامعہ سے 'فاضل حدیث' کا امتحان دیا، مولانا نے دینیات کی تعلیم مولانا شبلی جیراج پوری اور حدیث کی مولانا حیدر حسن خان سے حاصل کی۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند چلے گئے جہاں انہوں نے مولانا حسین احمد مدنی کے درس حدیث میں شرکت کی...... واپسی پر ندوۃ آکر علامہ شیخ محمد تقی الدین ہلالی المراکشی سے ادب عربی میں اعلیٰ کتب پڑھیں۔ اور تربیت حاصل کی اس طرح ابتدائی عمر میں شیخ عرب سے اور منتہی درجہ میں شیخ المراکشی سے تعلیم و تربیت کی بدولت مولانا عربی زبان و ادب میں طاق ہو گئے۔

اس زمانے میں لاہور میں مولانا احمد علی کے درس قرآن کی بڑی شہرت تھی چنانچہ مولانا ان سے تدبر اور اسرار شریعت کا علم سیکھنے کیلئے لاہور تشریف لائے اور ۱۹۳۳ء میں تفسیر قرآن کا امتحان امتیاز سے پاس کیا اور مولانا لاہوری سے شاہ ولی اللہ کی کتاب حجۃ البالغہ سبقاً پڑھی...... اسی

زمانے میں مولانا غلام محمد دین پوری سے بیعت کی اور خلافت حاصل کی اس طرح مولانا کی تعلیم و تربیت میں بیک وقت علوم ظاہرۃ کیساتھ ساتھ باطنی تعلیم و تربیت کا پہلو بھی پیش نظر رکھا گیا اسی لئے مولانا کی ذات مجمع البحرین گئیں اور جب آپ میدان عمل میں اترے تو اس وقت...... وہ پوری طرح زیور تعلیم سے آراستہ تھے۔

میدان عمل میں مولانا نے اپنی عملی زندگی کی ابتداء تحریر نگاری سے کی اور اسکے لئے پیشہ صحافت کا انتخاب فرمایا، چنانچہ انہوں نے لاہور سے واپسی کے بعد مولانا مسعود عالم ندوی کے ساتھ مل کر عربی ماہنامہ 'الضیاء' کی ادارت میں شرکت کی...... مولانا نے الضیاء کے لئے جو مضامین لکھے وہ قارئین میں بے حد مقبول ہوئے اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے...... اسی دور میں مولانا نے سید احمد شہید کی حیات پر عربی میں مقالہ لکھ کر مصر بھیجا جو سیرت احمد بن عرفان کے نام مدیر الفتح محب الدین کے توسط سے شائع ہوا۔ یہ مولانا کی پہلی عربی کاوش تھی جس کی طباعت عربی ثقافت کے مرکز، مصر سے عمل میں آئی۔ ۱۹۳۴ء میں مولانا مسعود عالم ندوی کے انتقال پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں مسند علم خالی ہوئی تو اس پر مولانا کا انتخاب عمل میں آیا چنانچہ انہوں نے طویل عرصے تک تفسیر، حدیث اور ادب کے اسباق کی تدریس فرمائی...... اسی زمانے میں طالب علمی کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۱۹۴۱ء میں تبلیغی جماعت کے بانی و موسس مولانا محمد الیاس صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور ان سے یہ روحانی تعلق عمر بھر قائم رہا...... اسی دوران میں مولانا عبد الستار رائے پوری سے نیاز مندی کا تعلق قائم ہوا...... اور چاروں سلاسل طریقت میں تربیت مکمل کرنے کے بعد اجازت و خلافت سے فیض یاب ہوئے انکے علاوہ مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی استفادہ کیا۔

ان بزرگوں سے تعلق، مولانا کی تحریروں پر ایک نقش جاوداں کی طرح نظر آتا ہے۔

سوانح نگاری مولانا کا پسندیدہ ترین موضوع تھا انہوں نے سید العرب والعجم، ﷺ کی سیرت طیبہ سمیت اپنے بہت سے بزرگوں، اساتذہ اور مشائخ کی سوانح پر قلم اٹھایا ہے۔ لیکن اپنی سوانح نگاری میں کبھی بھی خود کو نمایاں نہیں کرتے۔ وہ الفاظ کے پردے میں اس طرح پوشیدہ رہتے ہیں جس

طرح خوشبو پھول کی پتیوں میں مخفی ہوتی ہے۔انکی ساری مرتب کردہ سوانح ہائے حیات پڑھ جائیے آپکو کسی بھی جگہ " میں نے کہا، میں بتاتا ہوں، میرا خیال ہے، اور میرے نزدیک" جیسے جملے نظر نہیں آئیں گے اگرچہ ضرورت پڑی تو اس طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ایک خادم نے عرض کیا...... ایک مسافر نے محسوس کیا...... ایک شریک مجلس کا یہ احساس تھا...... غرض یہ کہ انکارذات جو اعلیٰ ترین شکل ہے وہ ان کی تحریروں میں ملتی ہے۔

جدید مسائل، مولانا کی قلم کا دوسرا بڑا ہدف تھا۔ انہوں نے براہ راست تہذیبی تمدنی اور معاشرتی مسائل اور جدید تحریکوں پر لکھا ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین میں انہوں نے مسلمانوں کے زوال کے عالمی اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء میں قاہرہ سے چھپی، اب تک اسکے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب سعودی عرب کے کالجوں میں نصاب تعلیم میں شامل ہے اسکے اردو، فارسی انگریزی، انڈونیشائی اور ترکی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔

عرب دنیا کو انہوں نے اسمعوها صريحة منى ايهاالعرب ...... (عربوں سے صاف صاف باتیں) لکھ کر مخاطب کیا، اسلام اور مغرب کے مابین ہونے والی کشمکش کو انہوں نے اپنی کتاب العسراء بين الفكرة الاسلامية والغربيه (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں پیش کیا۔ جدید فتنوں پر بھی ادیبوں نے بہت کچھ لکھا، جن مین قادیانیت اور ردة و لا ابا بكر لها (طوفان اور اس کا مقابلہ) قابل ذکر ہیں۔ مولانا کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد جو اردو میں لکھیں۔ تین سو کے قریب ہے جسکی خاص بات یہ ہے کہ مولانا نے ہر سطح کے لوگوں کیلئے لکھا۔ جسمیں نوجوان بھی شامل ہیں بچے بھی، عورتیں بھی اور مرد لوگ بھی، وہ اس صدی کے پہلے ہندی مسلمان ہیں جنہوں نے براہ راست عربی میں سوچا اور عربی میں لکھا اور عربی کو براہ راست مخاطب کیا انکی صف سے زائد تعارف عربی زبان میں ہے۔

اسی لئے بہت سے عرب مولانا کو عجمی نہیں بلکہ عرب خیال کرتے ہیں یہ بات کسی حد تک ٹھیک بھی ہے اس لئے کہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے 'عرب' ہی کے باشندے ہیں۔

مولانا کی شخصیت، سادگی، اور اخلاص کا پیکر اتم تھی ...... عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان کے سیمنار منعقدہ ۲۴-۲۵ اکتوبر ۱۹۹۷ میں تشریف لائے تو انکو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مولانا میں تصنع اور بناوٹ نام کی چیز سرے سے موجود نہیں تھی۔ وہ صحیح معنوں میں اسلاف کی یادگار تھے۔ کرتا پاجامہ اور سر پر قدیم وضع کی ٹوپی انکا لباس تھا انکی سادگی سے کوئی شخص یہ نہیں جان سکتا تھا کہ اس حلیے میں دنیا کا ایک عظیم سکالر اسکے روبرو موجود ہے۔

مولانا کی خدمات کے صلے مین سعودی عرب نے شاہ فیصل ایوارڈ دیا۔ اور متحدہ عرب امارات نے انہیں اعلیٰ ترین "عالم اسلام" ایوارڈ سے نوازا۔ لیکن مملکت خداداد پاکستان کے ایوانوں سے انہیں ...... کوئی نمایاں ایوارڈ تو کجا انکی خدمات کا صحیح معنوں میں ملکی سطح پر اعتراف بھی نہیں کیا گیا۔

مولانا پاکستان اور اہل پاکستان سے بڑی محبت رکھتے تھے وہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کا قلعہ تصور کرتے تھے جب وہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے تحت ہونے والے بین الاقوامی سیمنار میں لاہور تشریف لائے اور پانچ روز لاہور میں مقیم رہے ...... اس عرصے میں انہوں نے ارباب رابطہ کے ذریعے صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری اور وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف سے ذاتی ملاقات کیلئے وقت طلب کیا ...... صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری اگرچہ اپنا وقت نکال کر رابطے کے افتتاحی سیمنار کے افتتاح کیلئے تشریف لائے تھے لیکن چونکہ ان دنوں صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اقتدار کیلئے رسہ کشی زوروں پر تھی اس لئے وہ مولانا سے ملاقات کیلئے وقت نہ نکال سکے۔ مولانا سید رابع حسنی ندوی نے جو مولانا کے نواسے اور انکے علمی وارث ہیں' بتایا کہ مولانا ہمارے حکمرانوں کو نفاذ اسلام کے لئے مفید مشورے دینا چاہتے تھے لیکن ہمارے حکمرانوں کے پاس وقت نہیں تھا ...... اب وہ قیمتی مشورے کون دے گا؟ پاکستان اور اہل پاکستان کے لئے حرم میں بیٹھ کر دعائیں کون کرے گا؟ ....

ھے مکرر لب ساقی پہ صدا میرے بعد

☆☆☆☆☆☆☆☆

تحریر خورشید ندیم

ایک علمی روایت کا خاتمہ

۳۱ دسمبر کی شب جب بیسویں صدی رخصت ہوئی تو اسکے ساتھ علم و فضل کا وہ چراغ بھی بجھ گیا جو برصغیر پاک و ہند کی مشترکہ اور روشن علمی روایت کا آخری امین تھا۔ ایک طرف ماہ وسال کے پیمانے سے ایک عہد کا خاتمہ ہوا اور دوسری طرف فکر و نظر کا ایک دور اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس رات ندوۃ العلماء کے عظیم فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے پروردگار کے حضور جا پہنچے جہاں ہم سب کو ایک معین وقت پر حاضر ہونا ہے۔

نظری اعتبار سے انیسویں صدی کو مغرب میں "افکار کا دور Age of Idealogy" کہا گیا ہے۔ کانٹے، کومٹے، مل، سپنسر، نطشے، شوپن ہائر، ہیگل، مارکس صاحبتان فکر و نظر کی ایک کہکشاں ہے جو اس صدی کے آسمان پر بکھری ہوئی ہے اس عہد میں فلسفہ تاریخ کو علم کی دنیا میں یہ مقام ملا کہ انسان کی قسمت سازی میں وہ ایک بڑا عامل قرار پایا۔ دنیا مارکس کی جدلیاتی مادیت Dialactical Materialism نطشے کے "سپرمین" اور فلسفہ جرمنی کے تصور خودی Egoism سمیت ان گنت نئی فکری تعبیرات سے آشنا ہوئی۔ بالکل اسی طرح بیسویں صدی میرے نزدیک مسلم فکر کے حوالے سے افکار کا دور Age of Muslim Idealogy ہے۔ ایک طرف مصر میں محمد عبدہ، رشید رضا، حسن البناء سید قطب شہید اور محمد الغزالی جیسے حضرات نے علم و عرفان کا چراغ روشن کیا اور دوسری طرح ایران و عراق کی سرزمین پر ابوالقاسم الخوائی، باقر الصدر، مرتضیٰ مطہری اور علی شریعتی جیسے لوگوں کا غلغلہ بلند ہوا۔ انڈونیشیا میں محمد ناصر اور شمالی افریقہ میں مالک بن نبی جیسے صاحبان علم کا ظہور ہوا۔ برصغیر کا معاملہ تو سب سے منفرد رہا۔ سرسید احمد خان، شبلی نعمانی، علامہ اقبال، حمید الدین فراہی، ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی جیسے جلیل القدر لوگ پیدا ہوئے جنکے افکار نے آج بھی ایک زمانے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ سرسید احمد خان اگرچہ ۱۸۹۸ء میں دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن انکے افکار نے بیسویں صدی کے برصغیر کو

غیر معمولی طور پر متاثر کیا۔ اسی وجہ سے ہم انکا شمار بیسویں صدی کے مفکرین میں کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کانٹ کا انتقال تو انیسویں صدی کے اوائل ۱۸۰۴ میں ہو گیا تھا لیکن وہ بجا طور پر اس صدی کے مفکرین میں شمار ہوتے ہیں۔

برصغیر میں جنم لینے والی فکری روایت میں ایک نام مولانا ابوالحسن ندوی کا بھی ہے جو علی میاں کے نام سے معروف ہیں۔ یہاں ایک متوازن دینی فکر کے فروغ میں ندوۃ العلماء کا اپنا حصہ ہے ندوہ نے جو بڑے لوگ پیدا کئے ہیں ان میں ایک علی میاں بھی تھے۔ اپنے علم و فضل اور حسن سیرت کے اعتبار سے وہ فی الواقعہ ہمارے اسلاف کی نشانی تھے۔ وہ علماء کے اس کردار کی عملی تصویر تھے جسکا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ساری عمر ایک داعی اور نذیر بن کر جئے۔ انہوں نے انداز کی وہ ذمہ داری بحسن و خوبی سرانجام دی جس کا تذکرہ سورہ توبہ (22:9) میں تفقہ فی الدین رکھنے والوں کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ مولانا نے تمام عمر ایک غیر مسلم ریاست میں گزاری لیکن وہ پوری امت کیلئے فکرمند رہے اور ہر جگہ کے مسلمانوں کے درد کو انہوں نے اپنا درد سمجھا۔ اس میدان میں بلاشبہ انکا کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ مسلمان حکمرانوں سے مخاطب ہوتے تو یہ درد انکے الفاظ میں ڈھل جاتا۔ کوئی اس درد کو محسوس کرنا چاہے تو انکے ایسے خطوط کو پڑھ لے جو انہوں نے عرب دنیا کے ارباب اقتدار کو لکھے یہ خطوط اردو میں بھی حجاز مقدس اور 'جزیرہ العرب' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ جس متانت اور وقار کے ساتھ اپنی بات کہتے اسکا اندازہ ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جو ایک محترم دوست اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے استاد ڈاکٹر محمد الغزالی نے سنایا اور جسے ایک سعودی عالم نعمان ثمرقندی نے روایت کیا وہ کچھ عرصہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں استاد بھی رہے۔ نعمان ایک ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں جب علی میاں شاہ فیصل شہید سے ملنے کیلئے تشریف لے گئے مولانا شاہی محل کے کمرہ ملاقات میں داخل ہوئے تو بہت دیر تک اسکی چھت اور در و دیوار کی طرف حیرت اور استعجاب کیساتھ دیکھتے رہے، شاہ فیصل نے اسکا سبب پوچھا تو مولانا گویا ہوئے "میں نے بادشاہوں کے دربار کبھی نہیں دیکھے، آج پہلا تجربہ ہے اسلئے محو حیرت ہوں میں جس سرزمین سے تعلق رکھتا ہوں، وہاں اب بادشاہ نہیں ہوتے لیکن

تاریخ کا ایک دور ایسا بھی تھا جب وہاں بھی بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ میں نے تاریخ میں ایسے بہت سے لوگوں کا بارہا تذکرہ پڑھا ہے آج اس دربار میں آیا ہوں تو ایک تقابل میں کھو گیا ہوں......"

جو لوگ مولانا کے عربی زبان کے ذوق سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں علی میاں ایسی فصیح و بلیغ زبان لکھتے اور بولتے تھے کہ اہل عرب بھی اس کے سحر میں کھو جاتے، عرب بہت کم کسی کی عربی دانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ علی میاں ہمارے عہد کے شاید واحد عجمی ہیں جنکی فصاحت وبلاغت کو وہ رشک بھری نظروں سے دیکھتے تھے مجھے خیال ہوتا ہے کہ مولانا اگر عہد جاہلیت میں ہوتے تو عرب کے فصحا انکی زبان دانی کے اعتراف میں انکو سجدہ کرتے، انکی یہی فصاحت تھی جس نے شاہ فیصل کو مبہوت کرر کھا تھا۔ اور وہ ہمہ تن گوش مولانا کے سامنے کھڑے تھے۔ مولانا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں بھی ایک بادشاہ گزرا ہے، آج کا بھارت، پاکستان، سری لنکا، برما، نیپال دور دور تک اسکی حکومت تھی اس نے اپنے باون سالہ عہد اقتدار میں بیس برس گھوڑے کی پیٹھ پر گزارے اسکے دور میں مسلمان آزاد تھے، خوشحال تھے، انکے لئے آسانیاں تھیں لیکن بادشاہ کا حال یہ تھا کہ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا۔ وہ قرآن مجید کی کتابت کر کے اور ٹوپیاں بنا کر گزر اوقات کرتا۔ رات بھر اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا رہتا اور اسکے دربار میں اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا اس وقت مسلمان حکمران غریب اور سادہ تھے، اور عوام خوشحال اور آسودہ، آج آپکا یہ محل دیکھا تو خیال آیا کہ سب کچھ کتنا بدل گیا ہے۔ آج ہمارے بادشاہ خوشحال ہیں اور بڑے بڑے محلات میں رہتے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کا یہ حال کہ وہ فلسطین میں بے گھر ہیں، کشمیر میں انکا لہو ارزاں ہے، وسطی ایشیاء میں وہ اپنی شناخت سے محروم ہیں۔ آج میں نے آپ کے محل میں قدم رکھا تو اس تقابل میں کھو گیا"۔ راوی کا بیان ہے کہ جب علی میاں خاموش ہوئے تو شاہ فیصل کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ اب انکی باری تھی۔ پہلے انکے آنسو نکلے پھر ہچکی بندھ گئی۔ اسکے بعد وہ زار زار رونے لگے وہ اتنی بلند آواز سے روئے کہ انکے محافظوں کو تشویش ہوئی اور وہ بھاگتے ہوئے اندر آگئے۔ شاہ فیصل نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کو کہا، پھر مولانا سے مخاطب ہو کر بولے "وہ بادشاہ اسلئے ایسے تھے کہ انہیں آپ جیسے ناصح میسر تھے، آپ تشریف

لاتے رہیں اور ہم جیسے کمزور انسانوں کو نصیحت کرتے رہیں" اس ملاقات میں شاہ فیصل نے ندوۃ العلماء کیلئے ایک خطیر رقم پیش کرنا چاہی، لیکن مولانا نے انکار کر دیا اور کہا کہ ندوہ کے معاملات اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بہتر طور پر چل رہے ہیں۔

علی میاں ایسے شائستہ اطوار تھے کہ انکے معاصرین میں کم لوگ انکی مثل ہونگے۔ وہ ایک دور میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے متاثر ہوئے اور جماعت اسلامی کے رکن بن گئے۔ لیکن جلد ہی علیحدگی اختیار کر لی۔ افتاد طبع کے اعتبار سے وہ ایک زاہد اور عبادت گزار آدمی تھے۔ اسلئے انہیں تبلیغی جماعت میں زیادہ کشش محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنی راہیں جدا کر لیں۔ لیکن یہ کام اتنی خاموشی سے ہوا کہ بہت کم لوگوں کو اس کی خبر ہوئی۔ بہت عرصے کے بعد انہوں نے اس اختلاف کا برملا اظہار کیا جو انکی جماعت سے علیحدگی کا سبب بنا۔ انکا خیال تھا کہ مولانا مودودی کی تعبیر دین میں سیاست کی طرف جھکاؤ اتنا بڑھ گیا ہے کہ اسکے نتیجے میں انسانی شخصیت میں ایک عدم توازن پیدا ہو گیا ہے۔ اس افراط کے باعث وہ شخصیت وجود میں نہیں آتی جو دین میں مطلوب ہے۔ انہوں نے اپنی اس رائے کا اظہار اپنی کتاب "عہد حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح" میں کیا اس اختلاف کو بیان کرتے وقت انہوں نے مولانا مودودی کے علمی وقار اور دینی خدمات کا لحاظ رکھا اور کہیں بھی شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، مولانا مودودی کیساتھ احترام اور محبت کا تعلق مولانا کی وفات تک باقی رہا، مولانا مودودی کا معاملہ تو ایک طرف رہا۔ انکی شائستگی کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے "قادیانیت" کے عنوان سے کتاب لکھی تو اسمیں غلام احمد قادیانی کا تذکرہ "غلام احمد قادیانی" کے الفاظ سے کیا بلاشبہ یہی ایک حقیقی داعی کی شان ہے وہ مناظرہ باز اور کج بحث نہیں ہوتا۔ اسکی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ مخاطب تک حق کی بات پہنچادے تاکہ وہ پلٹ آئے۔ وہ اسے صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے نہیں ہوتا۔

علمی اعتبار سے اگرچہ انہوں نے "تدبر قرآن" یا "تفہیم القرآن" جیسی کوئی یادگار نہیں چھوڑی لیکن اسکے باوجود انکا تحقیقی و تصنیفی کام اتنا وقیع ہے کہ بیسویں صدی کے مسلم فکر کے لئے ارتقاء کا جائزہ لیتے وقت اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ "نبی رحمت" کے ذکر جمیل سے لے کر

باقی ص ۶۴ پر دیکھیں

محمد بن عبداللہ السبیل
صدر نشین امور حرمین شریفین وامام وخطیب مسجد حرام۔ مکہ مکرمہ

حرمین شریفین میں حضرت مفکر اسلام کی غائبانہ نماز جنازہ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

محترم علماء کرام گرامی قدر داران ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ ہند۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، شدید قلبی رنج اور اندوہ غم کیساتھ عالم جلیل اور داعی عظیم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کی خبر ملی۔ اللہ اس عظیم صدمہ کو جھیلنے کی سکت آپ اور ہم سب کو عطا فرمائے اور آپ اور تمام پس ماندگان کو بیش از بیش اجر سے نوازے اور اس خسارے کی تلافی فرمائے۔ ہم آپ سے تعزیت کرتے وقت خود بھی تعزیت کے مستحق ہیں بلکہ ساری امتِ اسلامیہ سے تعزیت کی جانی چاہیے۔ حضرت مولانا کا سانحہ وفات ایک زبردست حادثہ ہے اور شدید آزمائش ہے جس سے تمام مسلمانانِ عالم اسوقت دوچار ہیں اسلئے کہ مولانا مرحوم نے دعوت الی اللہ اور جہاد الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے اپنی زبان و قلم اور جسم و جان کو وقف کر دیا تھا اور اس میدان میں انکے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپکو اور تمام برادران اسلام کو اس صدمۂ جانکاہ کو سہارنے کی طاقت عطا کرے اور عالم اسلام کی اس محرومی کی تلافی فرمائے۔

...... ہم اس موقع پر آپکو یہ اطلاع بھی دینا چاہیں گے کہ خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز فرماں روائے مملکت سعودی عرب نے حرم مکی و حرم مدنی دونوں جگہ ۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ بروز دوشنبہ بعد نماز عشاء (یعنی ستائیسویں شب) حضرت مرحوم کیلئے غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم جاری فرمایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علامہ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے اور انہیں اپنے نیکوکار بندوں میں شامل فرمائے۔ اور انہیں ابرار و اتقیاء شہداء و صالحین کیساتھ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نوٹ: ۲۷ رمضان کو مکہ مکرمہ سے آمدہ اطلاع کے مطابق حرم شریف میں لگ بھگ ۲۰ لاکھ، اور مسجد نبوی میں تقریباً پانچ لاکھ فرزندان توحید نے نماز ادا کی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا لطافت الرحمان، کراچی

الرثاء

بوفات الشيخ السيد ابى الحسن على الندوى قدس سره

رزئنا بفقدالعالم البار فأتنا　　كثير علوم والهدى والمفاخر
بلكناؤ من هند على ميان موفقا　　من العلم فى اقصى مقارير قادر
له قدم عال على كل عالم　　له الهمة العلياء فى كل بادر
فمن بارد الاحوال احوال هندنا　　وملك هنود ملك جورو جائر
هنود يهود كلهم من عداتنا　　فهم من اعادينا دهور الدواهر
وكان فقيد مثل سدٍ لشر هم　　خلاف سبيل الكفر من شر كافرٍ
على ميان هوالحاوى على كل منصب　　من الدين والدنيا قوى المصادر
وداخل هند لا فقط بل بخارج　　هوالرجل العلام كالبحر زاخر
فقدنا فقدا لا يعود فقيده　　كفقد رجال آخرين اكابر
فمحمود شيخ الهند فى قرب عصرنا　　مضوامثل مايمضى رجال المقابر
كذا مثل انور شاه وشبير مسلمٍ　　حسين احمد العالى مقاما لفاخر
ومفتى شفيع يوسف من بنّور　　كذا عبدحق من اكورة زائر
كثير رجال العلم و الدين والتقىٰ　　بهندو باكستان فى حضر حاضرٍ
فهذا فقيد من مفاقيد ملةٍ　　ودين و شرع كابرا كل كابر
ونرثى رثاء بالعويل وبالبكاء　　بان مات مولانا الجليل المآثر
ابوالحسن الهمام علام دهره　　وتكلامة بحاثة بالمنابر
فممبره فوق المنابر كلها　　وخطباته اعلىٰ خطاب لحاضر
تصانيفه فاقت وزاعت مفيدة　　وممتازةً فاتت عبورا المعابر
ففى كل لفظٍ معدن من لآلى　　وفى كل سطرٍ منه بحرالجواهر
وانى وان ادعى بدعوى لطافة　　ولكنى كثاف قلب وخاطر

اشکِ غم

مولانا محمد ابراہیم فانی

فخر دین و ملت و قوم و وطن رخصت ہوئے

۱۴۲۰ھ

بیادِ مفکر اسلام داعی کبیر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ

صاحب فضل و کمال و علم و فن رخصت ہوئے
نابغائے وقت و محمود زمن رخصت ہوئے

جن کی تحریروں سے ملتا تھا سراغِ زندگی
محسن الملت وہ شیخ بوالحسن رخصت ہوئے

کاروانِ زندگی کا وہ حدی خواں اب نہیں
فخر دین و ملت و قوم و وطن رخصت ہوئے

بزم نازِ قدسیاں کی زینت و سر خیل آپ
رونق محفل وہ شمع انجمن رخصت ہوئے

جن کی صحبت سے دلوں پر آئی ایمانی بہار
جانب فردوس و جنات عدن رخصت ہوئے

وہ مفسر وہ محدث واقفِ اسرار دین
ناقد تہذیب غیر وہ بت شکن رخصت ہوئے

اک مورخ بے بدل وہ داعی دین مبین
اس زمین پر اک انعام ذوالمنن رخصت ہوئے

جامع شرع و طریقت پیکر صدق و صفا
زہد و تقویٰ کے مجسم روح و تن رخصت ہوئے

فاتحِ عالم بنا اپنی طلاقت کے طفیل
وہ طبیب علت و ناوک فگن رخصت ہوئے

عالم اسلام تھا ان کی ضیاء سے مستنیر
ارض ہندوستان سے وہ دُرِ عدن رخصت ہوئے

اب سنیں گے کس سے ہم اللہ حدیثِ دردِ دل
وہ خطیب و داعیء شریں سخن رخصت ہوئے

جن کی فرقت پر جہانِ علم و فن نوحہ کناں
یادگار قدسیاں وہ گلبدن رخصت ہوئے

ہشت پہلو گوہر ان کو گر کہیں بے جا نہیں
دُرِّ ناسفتہ وہ لعل اندریمن رخصت ہوئے

حشر گویا یک بپا شد آہ بر روئے زمین
مصلح و زاہد دریں دورِ فتن رخصت ہوئے

اب تسلی دے گا ہم کو فانیؔ دلگیر کون؟
"اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون؟"

قطعاتِ ابجد بوفات بوالحسن علی ندویؒ

۱۴۲۰ھ

☆ نتیجہ فکر! مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی ☆

جہانِ فن و علم و دانش شدہ | تپے شنوایں زِ من تبصرہ
چوں پرسیدم از ہاتفے سالِ او | بگفتا شنیدم عجب تذکرہ
ملائک ہمہ بودہ رطب اللساں | وَبَشّرَهُ الفوزَ وَالمَغفِرَه
۱۹۹۹ء

﴿ دیگر ﴾

رفت از دنیائے دوں یک نابغہ شیخِ زمن
"فخرِ دین وملت "وہم نازشِ اہلِ وطن
۱۴۲۰ھ
آہ وائے بر فراقِ عظمت امت و قوم
۶ ۱۹۹۳ء
حسرتا بر مرگِ آں محبوب داعی بوالحسنؒ

دیگر

ھاتفِ غیبی سے پوچھا میں نے جب رحلت کا سال
یوں کہا مجھ سے کہ ان کی موت پر دنیا ملال
وہ مفکر داعیٔ دین ایک شیخ نابغہ
۱۹۹۹ء
وجہ نورانی ہے گویا مثل شمس بازغہ
۱۴ ۱۹۸۵ء

درس ترمذی شریف

افادات : حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ضبط و ترتیب : مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

نظامِ اکل و شرب میں شریعت کی رہنمائی

امام ترمذی کی جامع السنن کی کتاب الاطعمہ کی روشنی میں

باب الوضوء قبل الطعام وبعده

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا

حدثنايحيىٰ بن موسىٰ ثنا عبدالله بن نمير،ثنا قيس بن الربيع وثنا قتيبة ثنا عبدالكريم الجرجانى عن قيس بن الربيع المعنى واحد عن ابى هاشم عن زاذان عن سلمان قال : قرأت فى التوراة ان بركة الطعام الوضوء بعده فذكرت ذلك للبنى ﷺ واخبرته بما قرأت فى التوراة فقال رسول الله ﷺ بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده' وفى الباب عن انس وابى هريرة لا نعرف هذا الحديث الا من حديث قيس بن الربيع وقيس يضعف فى الحديث وابو هاشم الرمانى اسمه يحيى بن دينار۔ ترجمہ۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے یحیٰ بن موسیٰ وہ عبداللہ بن نمیر وہ قیس بن ربیع وہ قتیبہ سے روایت کرتے ہیں وہ عبدالکریم الجرجانی اور وہ قیس بن ار بیع سے بمعنی واحد ابو ہاشم سے وہ ذازان اور وہ سلمان سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ وہ طعام (کھانا) بابرکت ہوتا ہے جسکے بعد وضو کیا جائے۔ تو میں نے یہ بات حضور اکرم ﷺ کو بتائی تو آپؐ نے فرمایا کہ جس کھانے سے قبل اور بعد دونوں میں وضو ہو وہ کھانا بابرکت ہوتا ہے۔

وضوء یہاں حدیث مبارک میں وضو سے مراد وضو اصطلاحی نہیں بلکہ صرف ہاتھ منہ دھونا

مراد ہے۔اس پر وضو کا اطلاق یا تو اطلاق الکل علی الجزء کے قبیل سے مجازاً ہوا ہے اور یا معنی لغوی اور عرفی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگرچہ بعض شافعیہ نے عجیب بات کہی ہے کہ یہاں وضو سے مراد وضو شرعی ہے حالانکہ یہ بات اصحاب مذاہب کے تصریحات کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ کھانے کے لئے وضو کرنا سنت نہیں۔ اگرچہ بعض شارحین حنفیہ کھانے سے پہلے وضو شرعی کو مستحب مانتے ہیں۔ فذکرت ذلك و اخبرته الخ ان دو جملوں کے درمیان یا تو عطف تفسیر ہے گویا کہ اخبرته فذکرت ذلك کی تفسیر کر رہی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی اور یا ذکرت بمعنی سألت اور واؤ حالیہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا کھانے کی برکت کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے میں ہے۔ تو حضورؐ نے اس کی تائید کرتے ہوئے اضافہ فرمایا کہ کھانے سے قبل بھی وضو باعث برکت ہے۔ اور اس حال میں کہ میں نے آپ کو تورات میں پڑھے ہوئے کا ذکر بھی کیا کہ تورات میں لکھا ہے کہ کھانے کی برکت فراغت کے بعد ہاتھ منہ دھونے میں ہے۔ کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کھانے سے قبل وضو کیا جائے۔ یہاں وضو سے مراد لغوی وضو ہے کہ صرف ہاتھ منہ دھویا جائے اور کھانے کے بعد بھی ہاتھوں کو دھویا جائے۔ ایک ادب یہ بھی ہے کہ کھانے سے قبل دھوئے ہوئے ہاتھوں کو کسی کپڑے کے ساتھ پونچھا نہ جائے۔ اور کھانے کے بعد دھوئے ہوئے ہاتھوں کو کسی کپڑے یا تولیے سے پونچھا جائے تاکہ ہاتھ صاف ہو جائیں اور ان سے چکناہٹ ختم ہو جائے۔

گویا کہ ہاتھوں پر میل کچیل جراثیم وغیرہ لگتے ہیں اس لئے رسول کریم ﷺ نے ہمیں یہ آداب سکھائے کہ تم کھانا کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھو لیا کرو۔ اور پھر کسی کپڑے یا تولیہ سے اسے خشک نہ کرو۔

عن ذاذان عن سلمان ۔ زاذان حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ تمام آسمانی کتابوں کے (تورات، انجیل، زبور اور بدھ مت وغیرہ) کے عالم ہیں اس لیے کہ آپ حق کی تلاش میں کئی سالوں تک دنیا کا چکر لگاتے رہے کبھی ایک مذہب کو اپنایا، کبھی دوسرے مذہب کو۔ آپ ایسے طالب علم تھے جسکو اطمینان حاصل نہیں ہوتا تھا۔ ب

مذاہب کو اپنایا مگر اطمینان و قرار نصیب نہ ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے انکو "اسلام" پر اطمینان و قرار عطا فرمایا آپ کے ان اسفار کی بہت بڑی داستان ہے۔ چونکہ حضرت سلمانؓ فارسی سب کچھ دیکھ چکے تھے اسلئے آپؓ نے فرمایا کہ قرأت فی التوراۃ : میں نے تورات میں پڑھا تھا۔ ان برکۃ الطعام الوضوء بعد ہ کہ کھانے کی برکت میں ہے کہ ہاتھوں اور منہ کو کھانا کھانے کے بعد دھویا جائے فذکرت ذلك للنبی ﷺ و اخبرته بما قرأت فی التوراۃ۔ تو میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ تورات میں ایسی بات لکھی ہوئی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے۔ لیکن اب ان آسمانی کتابوں میں کمی بیشی ہو چکی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ تورات میں صرف یہ پڑھ چکے تھے مگر اسمیں تحریف ہو چکا ہو گا۔ یا آپؐ تکمیل اسلام فرما رہے تھے۔ ومهيمناً عليه چونکہ قرآن و حدیث اللہ و رسول کا ان تمام ادیان اور کتابوں کے بارہ میں فیصلہ ہے کہ انکے کون سے احکام صحیح ہیں اور کون سے غلط اور کون سے ناسخ اور کون سے منسوخ اور کون سے حکم میں کمی بیشی ہوئی ہے۔ تو اسطرح اسلام کا کامل دین ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اسلئے آپؐ نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ برکۃ الطعام الوضوء قبله والوضو بعده۔ طعام کی برکت صرف فراغت کے بعد ہاتھ دھونے میں نہیں بلکہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھوں کو دھونا چاہیے۔ تو گویا کہ آپؐ نے سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق فرمائی۔ اور کہ جب ہاتھوں کو کھانا کھانے سے پہلے دھویا جائے گا تو ہاتھ گندگی، میل کچیل اور جراثیم وغیرہ سے پاک ہو جائینگے۔ اور ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کھانا عبادت کیلئے کھایا جاتا ہے۔ تو مناسب یہ ہے کہ یہاں بھی کھانے سے پہلے وضو کیا جائے جیسا کہ نماز سے پہلے وضو کیا جاتا ہے۔ اور فراغت کے بعد دھونے میں بھی بہت سے فوائد ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من بات وفی یده ریح غمرٍ ولم یغسله فاصا به شئی فلا یلومن الا نفسه (ترمذی) ترجمہ : جو آدمی سویا اور اسکے ہاتھوں پر ہلدی چکناہٹ اور چربی کی بو رہ گئی تھی اور اسے سونگھ کر نیند میں سانپ یا بچھو کیڑے مکوڑوں نے اسے کاٹ لیا تو وہ اپنے آپکو ملامت کرے کسی اور کو نہیں۔ اسلئے ان اشیاء کی بو کو سونگھ کر بہت سارے حشرات الارض

(کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ) آتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اس لحاظ سے بھی اس چکناہٹ کو دور کرنا ضروری ہے اسطرح کئی خطرات سے بھی بچ جاؤ گے۔

باب فی ترك الوضوء قبل الطعام
کھانے سے پہلے وضو نہ کرنا

حدثنا احمد بن منیع . حدثنا اسماعیل بن ابراهیم عن ایوب عن ابن ابی ملیکة عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ خرج من الخلاء فقرب الیه طعام فقالوا الاناتیك بوضوء ؟ قال انما امرت بالوضوء اذا قمت الی الصلاة، هذا حدیث حسن وقد رواه عمرو بن دینارٍ عن سعید بن الحو یرث عن ابن عباس وقال علی بن المدینی قال یحییٰ بن سعید ، کان سفیان الثوری یکره غسل الیدین قبل الطعام و کان یکره ان یوضع الرغیف تحت القصعة.

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء سے نکلے تو آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ کیا ہم آپکے لئے وضو کا پانی نہ لائیں تو آپؐ نے فرمایا بیشک مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز کیلئے اٹھتا ہوں۔ یہ حدیث حسن ہے اور اسکو عمرو بن دینار نے سعید بن الحویرث عن ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ علی بن المدینی، یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ سفیان الثوری کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور آپ سالن کے برتن کو روٹی کے اوپر رکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔

پہلے باب میں وضو کا ذکر تھا تو ایسا نہ ہو کہ لوگ کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی وضو کرنے لگیں۔ اور وضو کو ضروری سمجھیں تو اس باب میں اس امر کی وضاحت کرنا چاہی کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا ضروری نہیں بلکہ اس باب میں وضو سے مراد وضو لغوی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اگر آپ فضیلت برکت کیلئے وضو اصطلاحی کریں۔ جسکی وجہ سے کھانے میں اور بھی برکت زیادہ ہو جائے گی۔ تو گویا کہ اس بات میں وضو اصطلاحی کی نفی کرنا مقصود ہے۔ یا اس سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وضو کرنا ضروری نہیں بلکہ بیان جواز کیلئے وضو کا حکم دیا ہے۔ کہ کھانے سے پہلے

وضو کرنا مستحب ہے جبکہ صرف ہاتھ دھونا بھی فرض یا واجب نہیں کہ بغیر ہاتھ دھوئے کھانا ناجائز ہو۔ مثلاً یہ کہ آپ ایسی جگہ میں ہوں کہ وہاں دور سے پانی لایا جاتا ہو اور پانی کی قلت ہو اور آپکے ہاتھ پاک ہوں۔ مگر آپ مسلسل اس بات پر مصر ہوں کہ مجھے ضرور ہاتھ دھونا ہیں۔ تو یہ ٹھیک نہیں ہاں اگر پانی زیادہ ہو تو ٹھیک ہے۔ ایک مستحب امر کو پورا کریں اور اگر مشکلات ہوں اور ضرورت بھی نہ ہو تو گویا آپ نے لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیا ہے کہ پانی منگوایا اور دھونے کیلئے برتن لایا گیا۔ یہاں اجازت دی کہ خیر ہے کبھی کبھی ہاتھ دھونا چھوڑ بھی دیں اس لئے کہ اسلام بڑے اعتدال کا مذہب ہے۔

رسول کریم ﷺ ہر چیز میں اعتدال پیدا فرماتے ہیں۔ حدیث ان رسول الله ﷺ خرج من الخلاء فقرب اليه طعام ۔ آپؐ بیت الخلاء سے فارغ ہو کر نکلے اور آپ کو کھانا پیش کیا گیا۔ فقالوا الا ناتيك بوضوء ؟ تو بعض صحابہ کرام نے عرض کیا، کیا ہم آپکے لئے وضو کا پانی نہ لائیں ؟ یعنی کیا آپؐ کھانے سے پہلے وضو فرمائینگے ؟ تو سائل کی مراد بوضوءٍ سے اصطلاحی وضو تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے ظن منهم ان الوضوء واجب قبل الاكل کہ بعض لوگ کھانے سے پہلے وضو کو واجب گمان کرتے تھے۔

تو کیا کھانے سے پہلے وضو اصطلاحی کرنا ضروری نہیں۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ انما أمرت بالوضوء اذا قمت الى الصلوة کہ وضو اس وقت ضروری ہے جب میں نماز کیلئے اٹھوں گویا کہ آپؐ نے ہاتھ منہ دھونے کا انکار نہیں کیا اس لئے رسول کریم ﷺ استنجاء بالماء کیا کرتے تھے تو ضرور ہاتھ بھی دھوتے ہونگے۔ اذا خرج من الخلاء سے مراد یہ نہیں کہ آپؐ نے ہاتھ نہیں دھوئے تو صحابہ کرامؓ نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ بغیر وضو کے کھانا کھاتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وضوء تو نماز کے لئے ہوتا ہے مگر آپؐ کا کھانے سے پہلے وضو نہ کرنے سے نفس وضوء کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس وجوب کی نفی ہوتی ہے جو سائل نے سمجھی تھی اس لئے فقہا نے لکھا ہے کہ کھانے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے۔ یہاں صرف صلوۃ کے ساتھ وضو کی تخصیص فرمانا عام حالات کے بنا پر تھا ورنہ وضو تو سجدۂ تلاوت قرآن پاک کا حلف اٹھانے اور پکڑنے اور طواف اور نماز

جنازہ کے لئے بھی ضروری ہے۔

اور اگر سائل کا وضوء سے پہلے ہاتھ منہ دھونا مراد ہو تو آپ کا ایسا فرمانا بیان جواز کیلئے تھا کہ کبھی کبھی بغیر ہاتھ دھوئے بھی کھانا کھانا جائز ہے یعنی اگر ضرورت نہ ہو، ہاتھ صاف ہوں اور ان پر کسی قسم کی کوئی گندگی، میل کچیل کے آثار نہ ہوں تو تکلف کی ضرورت نہیں بغیر ہاتھ دھوئے بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے۔ اور کھانا کھانے کیلئے ہاتھ دھونے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام سفیان الثوری رحمھم اللہ کراہت کے قائل ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اہل علم حضرات کے دو اقوال ہیں۔ ایک استحباب کا دوسرا عدم استحباب کا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے دونوں قسم کے اقوال مروی ہیں۔ مگر حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ الصحیح انه لایستحب صحیح یہ ہے کہ مستحب نہیں۔ قال علی ابن المدینی قال یحییٰ بن سعید قال سفیان الثوری یکرہ غسل الیدین قبل الطعام تو سفیان جیسی عظیم شخصیت اور امام کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

اعتراض : تو کیسی عجیب بات ہے کہ اتنا بڑا امام اس کو وہ کیسے مکروہ سمجھتا ہے؟ جبکہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

الجواب : تو اسکا جواب یہ ہے کہ جو حدیث آپ تک نہیں پہنچتی ہے تو وہ اپنی طرف سے ایسے کام کا اضافہ نہیں فرماتے تھے کہ اسکی وجہ سے لوگ پریشانی یا تکلیف میں مبتلا ہو جائیں۔ تو یہ حدیث انکو نہیں پہنچی ہوگی۔ (۲) یا انکے نزدیک حدیث معلول بعلۃ ہوگی علت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے تو ہاتھ گندے ہیں ان پر میل کچیل لگا ہوا ہے تو اسوقت دھونا ضروری ہے اور جب ہاتھ پاک ہیں تو پھر دھونے کا کیا فائدہ۔

راجح قول لیکن صحیح بات یہ ہے کہ بعض لوگ آداب اور مستحبات میں بھی بہت تشدد سے کام لیتے ہیں حتی کہ اس کام کو فرض کے درجے تک پہنچادیتے ہیں۔ تو پھر ائمۃ کرام جو حکماء امت بھی ہیں انکی اصلاح کرتے ہیں۔ (مثلاً جب تراویح کے فرض عین ہونے کا خطرہ ہوا تو رسول کریم ﷺ نے تراویح پڑھانا چھوڑ دیا) تو لوگوں نے بہت سختی شروع کی ہوگی کہ ہاتھ کو صابن وغیرہ سے ضرور

دھوتے ہونگے اور اسکو فرض عین سمجھا ہوگا تو اس وقت آپؒ نے فرمایا ہوگا کہ ایسا نہ کرو ایسا کرنا مکروہ ہے مطلب یہ ہے کہ اعتدال پیدا ہو جائے۔ ورنہ ہاتھ دھونے کو کوئی مکروہ کیسے کہہ سکتا ہے۔ دھونا تو امور فطرت میں سے ہے تو کسی بھی چیز کا دھونا مکروہ نہیں۔ تو بہر حال انہوں نے کسی خاص حالت اور تشدد کے پیش نظر مکروہ کہا ہوگا ورنہ اتنے بڑے امام سے کیسے ممکن ہے کہ وہ ہاتھ دھونے کو مکروہ کہیں۔ تو تشدد کو ختم کرنے کیلئے کہا ہوگا۔

<u>وقال یکره ان یوضع الرغیف تحت القصعة</u> : آداب سکھار ہے تھے کہ روٹی کو سالن والے برتن کے اوپر رکھنا چاہیے۔ نیچے رکھنا مکروہ ہے جیسا کہ عام عادت ہے کہ لوگ روٹی کو سالن کے برتن کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ اور آپ اسکو مکروہ سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ برتن کا نچلے حصے کا پتہ نہیں چلتا اگر وہ برتن زمین پر پڑا ہوا ہو تو اس پر گندگی میل کچیل اور گرد و غبار وغیرہ لگ جاتا ہے۔

لہذا جب روٹی نیچے اور سالن کا برتن اوپر رکھا جائے گا تو پتہ نہیں چلے گا کہ روٹی پر کیا لگ گیا ہے۔ تو یہ چھوٹے چھوٹے آداب بھی شریعت ہم کو سکھاتے ہیں۔ ::: ☆☆☆

بقیہ صفحہ ۵۳

ایک مورخ کی طرح انہوں نے چھ جلدوں میں "تاریخ دعوت عزیمت" مرتب کی "مطالعہ قرآن کی مبادی اصول" اور "حدیث کا بنیادی کردار" جیسے مسائل پر ایک جید عالم کی طرح قلم اٹھایا، "معرکہ ایمان و مادیت" سے لیکر "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" جیسے عصری مسائل کو بھی موضوع بنایا۔ انکے پاس ایک سوانح نگار کا قلم تھا اور ایک مصلح کا بھی۔ علامہ اقبال سے متعارف کرایا۔ مولانا کی یہ کتاب "نقوش اقبال" کے عنوان سے اردو میں بھی ترجمہ ہوئی۔ اقبال کیساتھ انکی یہ محبت آخری وقت تک باقی رہی۔ جی چاہتا ہے کہ انہیں اقبال ہی کے الفاظ میں آخری بار مخاطب کیا جائے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر — خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا — نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

☆☆☆

ڈاکٹر طاہرہ بشارت اسسٹنٹ پروفیسر
ادارہ علوم اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور

فلاح کا اصل سرچشمہ : اسلام

اس مادیت کے اندر ڈوبتی ہوئی دنیا کی ظلمت و تاریکی رفع کرنے کیلئے کون سا چراغ ہو سکتا ہے۔ جو کفر و الحاد کے جمود کو پاش پاش کردے؟ وہ کون سی قوت ہے جو ایک نئی تحریک پیدا کرے اور عقل و شعور پر اٹھائے گئے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دے سکے۔ وہ کون سی صدا ہے جس پر لبیک کہہ کر خواب غفلت میں ڈوبا ہوا انسان بیدار ہو سکے؟ وہ کون سا پیام عمل ہے جو فکر و عمل کی دعوت دے اور عملی ثبوت مہیا کرے۔

وہ راہ عمل، وہ حل، وہ فکر، اسلام ہے۔ اسلام فلاح کا اصل سرچشمہ، فطرت کی پکار، دین کامل اور عالمگیریت کا حامل دین ہے جسے خدائے و برتر کا پسندیدہ دین نے ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ارشاد خداندی ہے : اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا (المائدہ ۵ : ۳) ان الدين عندالله الاسلام (آل عمران ۳ :۱۹)

اسلام دین حق ہے اور اپنی حقانیت کا ثبوت تمام عقائد باطلہ کو رد کر کے ایک خالص اور ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک واضح اور بین دین کی صورت میں عطا کرتا ہے۔ اسلام کا خدا ایک ایسا ہے جو ہر قسم کی حاجات و ضروریات سے مبرا ہے۔ جو کہ عالیشان ہے۔ کامل صفات سے متصف اور اپنی ہر صفت میں کامل ہے۔ اسلام ایک عالمگیر اور جامع تہذیت کا منبع ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں شاید ہی اعمال و عقائد کا کوئی ایسا پہلو ہو جس پر اسلام کی تعلیمات موجود نہ ہوں، نہ ہی کلام الٰہی میں کہیں تشنگی کا تاثر ملتا ہے۔ قرآن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے : وما هو الا ذكر للعلمين O (القلم ۶۸ :۵۲) اسلام نے ہر قسم کے متضاد اور باطل عقائد کا بڑے واضح اور مدلل انداز میں رد کرتے ہوئے واضح احکامات دیئے۔ ہم مختلف مذاہب کے نظاموں کا اسلام کے پیش کردہ نظام کیساتھ موازنہ کرتے ہوئے یہ ثابت کریں گے کہ اسلام ہی فلاح کا اصل سرچشمہ و منبع ہے۔

غیر سامی ادیان کا تصور الٰہ اور اسلام کثرت پرستی کئی ایک مذاہب خصوصاً غیر سامی مذاہب

میں خصوصیت کی حامل رہی ہے۔ ہندومت میں لاتعداد دیوی دیوتا ہیں جن کی پوجا اور پرستش کی جاتی ہے۔ صرف ویدوں میں ۳۳ دیوتاؤں کا ذکر ہے جن کی تعداد اب ۳۳ کروڑ ہو چکی ہے۔

اسلام کثرت پرستی کا جامع اور مدلل انداز میں رد کرتا ہے اور صرف خدائے واحد کو عبادت کے لائق گردانتا ہے۔ اسلام میں خدا کے علاوہ کسی کی عزت و تکریم کی مکمل طور پر مذمت کی گئی ہے۔ حتی کہ اسلام کسی نبی یا فرشتے کی عبادت کو بھی پسند نہیں کرتا ارشاد ربانی ہے۔ ویعبدون من دون الله مالم ینزل به سلطنا وما لیس لهم به علم وما للظلمین من نصیره۔ کئی مذاہب میں مختلف اور بڑے خداؤں کو بزرگ اور برتر مانا جاتا ہے۔ مگر اسلام نے اس کی جڑیں ختم کردیں۔ ارشاد ربانی ہے :ولکم یکن له کفواً احد (اخلاص :۵)

غیر سامی ادیان نے اللہ تعالیٰ کو خانگی معاملات سے متصف بھی قرار دیا ہے جبکہ ارشاد ہے وقل الحمدلله الذی لم یتخذ ولد اولم یکن له شریك فی الملك ولم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیرا (بنی اسرائیل :۱۱۱) ہندومت میں مظاہر فطرت کی پرستش کا سبب، خوف، ڈر، امید و توقع ہے۔ انسان چونکہ مادہ پرستانہ ذہن کا مالک ہے۔ چنانچہ وہ کمزور ایمان کی بنا پر جس چیز میں نفع دیکھتا ہے یا خوف کھاتا ہے تو اسکی پرستش کرنے لگتا ہے۔ یہ محض عقل ناقص اور کم فہمی کا نتیجہ ہے جبکہ اسلام ایک خدائے بزرگ و برتر کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ اور انسان کو تمام مظاہر فطرت و مخلوقات سے اشرف گردانتا ہے اور تمام مظاہر کو خدا کے حکم کے تابع قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے :والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامر الاله الخلق والامر (الاعراف ۷ :۱۵۴)۔ لہذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام مظاہر فطرت کی پرستش کرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، زرتشت ازم میں بنیادی اور مرکزی عقیدہ ثنویت ہے اور اسلام میں اس عقیدے کا کوئی جواز نہیں۔ وقال اللہ لاتتخذ والٰھین اثنین انماھوالہ واحدہ (النحل ۱۶ :۱۵۴) اتنی بڑی اور وسیع کائنات اور اسکا ایک منظم و مرتب سلسلے سے چلنا ایک خدا کے وجود کی نشانی ہے، وگرنہ اگر بہت سے خدا ہوتے تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ لوکان فیهما الهة الا الله لفسدتا فسبحن الله رب العرش عما یصفون (الانبیاء ۲۱ :۲۲)

<u>سامی ادیان کا تصور الہ اور اسلام</u> سامی ادیان میں یہودیت عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ یہ

تینوں الہامی دین ہونے کا دعوی رکھتے ہیں۔ مگر یہودیت اور عیسائیت نے اپنی تعلیمات میں تحریفات کر کے اس دعوے کی خود تردید کر دی ہے، مگر اسلام وہ واحد دین ہے۔ جس کی تعلیمات آج بھی وہی ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھیں۔ یہودیت میں بھی توحید کا تصور دیا گیا تھا اور عیسائیت میں بھی، مگر یہودیوں نے تصورِ الٰہ میں تفریط کی اور گوسالہ پرستی، بت پرستی حتی کہ عزیر پرستی کو اللہ کے ہم مرتبہ قرار دے دیا۔ حضرت موسیٰ کی طرف جو کتاب منسوب کیجاتی ہے وہ توریت ہے اور توحید کا ذکر اسمیں جابجا پایا جاتا ہے۔ ”سن اے اسرائیل خداوند! ہمارا خدا ایک ہے۔“ مگر انکے تصورِ الٰہ کی گواہی قرآن یوں دیتا ہے۔ وقالت الیھود عزیز ابن اللہ ۔(التوبۃ۹ : ۳۰) اور خدا کی طرف بتوں کو منسوب کرنا انکی عادت بن چکی تھی۔ قرآن نے انکے عقیدے کا رد اسطرح کیا۔ سبحن اللہ عمایشرکون O (الحشر :۲۳)

دوسری طرف عیسائی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ انہیں حضرت مریم اور اللہ تعالیٰ کو عقیدہ تثلیث کے تحت ایک قرار دیتے ہیں۔ لقد کفر الذین قالو ا ان اللہ ثالث ثلثۃ (المائدہ ۵ : ۷۳) قرآن مجید نے عقیدہ تثلیث کو کفر سے تشبیہ دی اور کہا ماالمسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل وامہ صدیقۃ (المائدہ۵ : ۷۵) اسلام اپنے معبود حقیقی کو ہر قسم کے خانگی معاملے، شرک اور تشبیہ سے برتر قرار دیتا ہے اور کہتا ہے۔ اللہ لا الہ ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم مافی السمٰوت وما فی الارض (البقرہ۲ : ۲۵۵) سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کی کامل توحید کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسکے علاوہ قرآن پاک میں جابجا اللہ تعالیٰ کے معبود حقیقی ہونے اور باطل معبودوں کا رد پایا جاتا ہے۔

<u>عقیدہ رسالت</u> کسی بھی مذہب یا نظریہ حیات کیلئے اس کے پس منظر میں ایک صحیح رہنما کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ قوم، ملک اور رہنما کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ لہذا دین جیسے حساس عقیدے اور عقیدے کا تصور رسالت کے بغیر نامکمل ہے۔ غیر سامی ادیان میں جو رہنما اصول ہمیں نظر آتے ہیں ان میں بدھ مت اور زرتشت ہیں۔ انہیں یہ دونوں مذاہب کے پیروکار اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں مگر انکے تصور میں ہمیں افراط نظر آتا ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے رہنماؤں کو الہ کے مقام تک پہنچایا۔ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ قرار دے دیا۔ اسلام وہ واحد دین ہے جس

نے تمام انبیاء کی معصومیت کی گواہی دی اور خاص طور پر اپنے رہنما یعنی حضرت محمد ﷺ کی عزت تکریم کو ضروری قرار دیا۔ اسلام میں داخلہ کے وقت کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے جس میں اللہ کی وحدانیت اور نبیؐ کی رسالت کی گواہی دی جاتی ہے۔ اسلام نے اپنے پیغمبر کے ساتھ محبت کا تعلق قائم کرنے کی تلقین کی۔ قل ان کنتمَ تحبون الله فاتبعونیٓ یحببکم الله ویغفر کم ذنو بکم (آل عمران ۳ :۳۱) اسلام سے پہلے نبوت ورسالت کا ہلکا سا خاکہ نظر آتا ہے مگر اسلام نے اس خاکے کو مزین اور مرتب شکل دی گویا دوسرے ادیان کے مقابلے میں اسلام ہی وہ دین ہے جو اپنے پیشوا اور رہنما کو عزت و تکریم دیتا ہے اور مسلمانوں کو انکی پیروی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع الله (النساء ۴ :۸۰)

عقیدہ آخرت اکثر مذاہب عقیدہ آخرت کے بارے میں کوئی خاص اور متعین معلومات فراہم نہیں کرتے۔ بدھ مت نروان، ہندو مت میں مکتی کا تصور یا تناسخ ارواح کا تصور عقیدہ آخرت کو ظاہر کرتا ہے مگر نروان، مکتی یا تناسخ اصل میں کیا ہے؟ اس کی وضاحت نہ پہلے کسی نے کی اور نہ آج تک کوئی کر سکا ہے۔ تاہم ہندو مت اور بدھ مت چونکہ عقیدہ تناسخ کے قائل ہیں لہذا وہ آخرت کے عقیدے کو ضروری قرار نہیں دیتے۔ تاہم یہود و نصاریٰ کے ہاں آخرت کا عقیدہ پایا جاتا ہے مگر یہود آخرت کی تمام نعمتوں کو اپنے لئے مخصوص سمجھتے ہیں اور نصاریٰ کے مطابق عیسیٰ ان کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں۔ اسلامی عقیدہ آخرت کو تمام ادیان میں الگ حیثیت حاصل ہے۔ اس عقیدے کے مطابق جزا و سزا اس دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ بعض کو ظاہری اور بعض کو ضمیر کی خلش کے طور پر سزا ملتی ہے اور یہ بھی ایک نعمت ہے۔ کیوں کہ ایک مسلمان ایک غلط کام کرنے سے بیشتر خود کو یہ بات باور کرا دیتا ہے کہ اسے اس عمل کا جواب دینا ہو گا۔ یوم تشهد علیهمَ النستهم وایدیهم وارجلهم بما کانوا یعملون O (النور ۲۴ : ۲۴) کوئی شخص کسی کے کام نہیں آئے گا۔ لن تنفعکم ارحامکم ولا اولا دکم یوم القیامة یفصل بینکم والله بما تعملون بصیر O (الممتحنة ۶۰ : ۳) اسلام کی تعلیمات کی فوقیت اس لحاظ سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں صرف دنیا کو ہی پیش نظر نہیں رکھا گیا بلکہ آخرت کی زندگی کی بھلائی کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ ربنا اتنا فی الدنیا

حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار (البقرہ ۲ : ۲۰۰)

معاشرتی تعلیمات بے اعتدالی وافراط و تفریط کی اس دنیا میں صرف ایک ہی نظام معاشرت ایسا پایا جاتا ہے جس میں غایت درجہ کا اعتدال و توازن پایا جاتا ہے اور جس میں فطرت انسانی کے خفیف سے خفیف پہلو کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔ انسان کی جسمانی ساخت، حیوانی جبلت اور اسکی سرشت اور اسکے فطری داعیات کے متعلق نہایت مکمل تفصیلی علم سے کام لیا گیا ہے۔

اسلام سے قبل تمام مذاہب میں عورت کی حیثیت وحالت نہایت ابتر تھی، ہندومت میں جھوٹ بولے، بغیر سوچے سمجھے کام کرنے، حماقت، طمع، ناپاکی اور بے رحمی کو عورت کی صفات قرار دیا گیا۔ بدھ مت نے عورت کیساتھ تعلقات سے بچنے کیلئے رہبانیت کو پسند کیا۔ زرتشت ازم میں عورت کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ملتیں۔ یہودیت وعیسائیت میں عورت کو پیدائشی گناہگار، مکار، بدنیت اور نسل انسانی کی دشمن قرار دیا ہے۔ جبکہ اسلام نے مرد اور عورت میں روحانی اعتبار سے کسی قسم کی تقسیم روا نہیں رکھی، اور انسانی فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعضO (آل عمران ۱۳ : ۱۹۴) ہندومت میں طلاق کا کوئی تصور نہیں۔ مسیحیت میں بھی طلاق کی اجازت نہیں۔ زرتشت نے بھی اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں دی۔ یہودیت میں طلاق کا تصور تو ہے مگر بیوی کو یہ حق نہیں کہ خاوند سے علیحدگی اختیار کرے، مگر اسلام مرد کو طلاق اور عورت کا خلع کا حق دیتا ہے۔ تعدد ازواج کا تصور ہندومت میں موجود ہے۔ یہودی قوانین تعداد ازواج کی اجازت دیتے ہیں۔ زرتشت میں مرد کو بلا تحدید کئی شادیوں کی اجازت دی گئی ہے۔ عیسائیت میں دوسری شادی کی اجازت نہیں اور ازواج کے حقوق و فرائض میں بھی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔

اسلام میں نکاح اور مہر کے بغیر عورت کیساتھ تعلق قائم کرنا درست نہیں۔ بوقت ضرورت مرد طلاق دے سکتا ہے۔ اور عورت بھی خلع لے سکتی ہے۔ اسلام نے عورت کیلئے نفقہ اور مہر حتی کہ وراثت میں بھی اسکا حصہ مقرر کیا۔ طلاق یا وفات کی عدت مقرر کر دی گئی اور اسکے بغیر عقد ثانی کی اجازت مرحمت کی گئی۔ تعدد ازدواج کی مقید اجازت دی گئی تاکہ مرد دوسری یا تیسر شادی کرتے وقت جلدی نہ کرے۔ (النساء ۴ : ۱۲۹)

اسلام نے عائلی زندگی کا ایک مکمل اور مربوط نظام فراہم کیا ہے جس میں مرد کو قوام بنایا گیا ہے (النساء ۴ : ۳۴) اور عورت کے جملہ اخراجات کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہے۔ عورت کے متعلق کہا گیا۔ هن لباس لكم وانتم لباس لهن (البقرہ ۲ : ۱۸۷) اور انکے ساتھ بہتر سلوک کی نصیحت کی گئی، وعاشروهن بالمعروف اسکے علاوہ والدین، رشتہ داروں، پڑوسیوں اولاد وغیرہ کے حقوق کو بھی مدنظر رکھا گیا۔ حقوق کی یہ خوبصورت تقسیم کسی معاشرے اور مذہب میں نظر نہیں آتی۔

اخلاقی تعلیمات ہندو مت کی سب سے بڑی اخلاقی خرابی ذات پات کا نظام ہے جس سے ہندو آج تک نہیں نکل سکے۔ بدھ مت میں بھیک مانگنا پسندیدہ روزی سمجھا گیا ہے۔ زرتشت کے اندر بھی مکمل اخلاقی تعلیمات نظر نہیں آتیں۔ اور یہودیت و نصرانیت کی اخلاقی تعلیمات محض نصیحتوں پر ہی مبنی ہیں۔ یہودیت کے نظام اخلاق میں صرف عدل ہے اور عیسائیت کے نظام اخلاق کا یہ اصول کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی پیش کردو اور کسی سے بدلہ نہ لو یہ بات بھی فطرت کے خلاف ہے جبکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط۔ جو نہ محض عدل ہے اور نہ محض عفو۔ بلکہ اعتدال کا رویہ اسلامی اخلاق کا خاصہ ہے۔

نظام معاشیات ہندو مت میں بڑھئی، وید، درزی، لوہار جیسے پیشے حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ بدھ مت میں بھی معیشت کا شعبہ واضح ہدایت سے محروم ہے۔ بدھ مت میں دنیاوی ترقی کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ بدھ مت میں دنیا کو دکھوں کا گھر سمجھا جاتا ہے۔ لہذا معاشی ترقی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس مذہب میں بھیک مانگنا حلال روزی سمجھا جاتا ہے۔

زرتشت ازم میں رہبانیت کی گنجائش نہیں۔ کسی حد تک اسکا معاشی پہلو واضح ہوتا ہے لیکن مکمل معاشی نظام سے یہ مذہب بھی خالی ہے۔ یہودیوں کے ہاں سود خوری معاشی نظام کی جڑ ہے اور انکے ہاں شراب کی خرید و فروخت حلال سمجھی جاتی ہے۔ عیسائی پادریوں نے عوام سے رقم بٹورنے کے نئے طریقے اختیار کر لئے تاہم عیسائیت میں بھی معاشی مسائل کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام بھی انسان کی پوری زندگی کیلئے کافی ہیں۔ ان دونوں نظاموں کے نتیجے میں جدید معاشروں میں مساوات و توازن کی بجائے غربت اور استحصال نے جنم لیا۔

ان تمام نظاموں کے برعکس اسلام پوری زندگی کا جامع اور ہمہ گیر نظام عطا کرتا ہے اسلام کے نظام میں جامعیت بھی ہے اور وسعت بھی ہے وحدت بھی ہے اور کمال بھی۔ یہ نظام فطرت سے بغاوت نہیں بلکہ مطابق کا نام ہے۔ جو انسان کے انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ نہ یہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی طرح آزاد معیشت کا حامی ہے اور نہ اشتراکیت کی طرح شخصی آزادیوں کا کچلتا ہے۔ اسلام کا نظام اور اسکے اصول آج بھی اتنے ہی کار آمد ہیں۔ جتنے چودہ سو سال قبل تھے۔ ان اصولوں نے معاشرے میں معاشی انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اسلام دین فطرت ہے اور تمام مذاہب پر اپنی اعلیٰ تعلیمات و روایات کی وجہ سے فائق ہے۔ اسلام ہی فلاح کا اصل سرچشمہ ہے جسے انسانیت کی رہنمائی کیلئے اللہ نے آخری نبیؐ کو مرحمت فرمایا۔ اسلام کی اعتقادی۔ فکری۔ معاشی غرض کہ ہر قسم کی تعلیمات کا مکمل اور مربوط نظام ہے۔ آج دنیا ایک طرف مادیت اور دوسری طرف معاشی کشمکش کی دہری مصیبت میں گرفتار ہے۔ مگر اسلام ایک ایسا نظام پیش کرتا ہے جو روح اور مادہ دونوں پر محیط ہے۔

انگلستان کے ایک مفکر سر ولیم لکھتے ہیں "اسلام کے پاس آدم کو دینے کیلئے اتنا کچھ ہے کہ وہ آخرکار دنیا کو بھی اپنی طرف مائل کریگا"۔ صرف یہی نہیں بے شمار مستشرقین اسلام کے زندہ جاوید مذہب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ اور انکا خیال ہے کہ یہی دین فلاح اور نجات کا ضامن ہے۔ یہی انسان کو موجود مسائل سے نکالنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسلئے اب ہمارا فرض بنتا ہے کہ دنیا کو قرآن اور اسلام کی انقلاب آفریں تعلیم سے آشنا کرائیں کہ وقت کی پکار یہی ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ　　وہی زمین وہی گردوں ہے قم باذن اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے　　تری رگوں میں وہی خون ہے قسم باللہ

☆☆☆☆☆☆

افکار و تاثرات .... قارئین بنام مدیر

برادر زادہ عزیز مولوی راشد الحق سلمہ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بہت دنوں سے حواس باختگی کی حد تک بڑھے ہوئے اسفار اور اشغال کی وجہ سے وہ رسالے میں ابھی سرسری بھی نہیں دیکھ پارہا جو کبھی پورے پڑھا کرتا تھا۔ انہیں میں "الحق" بھی داخل ہے۔ اس لئے مجھے یہ معلوم بھی نہیں تھا کہ اب "الحق" کی ادارۃ ہمارے عزیز بھتیجے نے سنبھال لی ہے اور خط کا اسلوب تحریر میں "الولد سر لابیه" کے جو ثبوت نظر آئے ان سے بے حد مسرت ہوئی۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

آپ نے جس مقالے یا مضمون کی فرمائش کی ہے۔ دل کی خواہش تو یہ ہے کہ اپنے بھتیجے کی یہ خواہش فوراً پوری کروں لیکن مصروفیات اور ذمہ داریوں کے انبار سے ہر وقت سامنا رہتا ہے اسکی وجہ سے کوئی حتمی وعدہ کرنا تو مشکل ہے لیکن ان شاء اللہ کوشش کرونگا کہ اختصار کے ساتھ ہی سہی اپنے خیالات آپ کو بھیج سکوں۔ اپنے والد گرامی کو میرا سلام پہنچادیں اور یہ شعر بھی ؎

چو باحبیب نشینی وبادہ پیمائی　　　بیاد آر حلیفانِ بادہ پیمان را

والسلام

(حضرت مولانا) محمد تقی عثمانی مدظلہم

ممبر شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان

برادر عزیز و مکرم مولانا راشد الحق سمیع　سلمہ ربه القوی مع الصحة والعافية و التوفيق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے کہ آپ اور محترم والد صاحب ہر طرح مع الخیر ہونگے۔ عرصہ قبل والد صاحب مہتمم کی طرف سے اور اب چند روز قبل آپ کی طرف سے خوب صورت اور تعلق ریز خطوط ملے۔ میں شرمندہ ہوں کہ حضرت مولانا مدظلہ کی طرف سے تحریر کردہ مکتوب کا بروقت جواب نہ دے سکا۔ مسلسل بیماری اور اسکے اعذار کی وجہ سے کارکردگی متاثر رہتی ہے۔ کوئی کام وقت پر نہیں ہوپاتا، روٹینی اور ذمہ داریوں کے دائرے کے کام بھی بروقت انجام پذیر نہیں ہوتے۔

آپ کے والد گرامی پھر آپ سے مجھے جو تعلق ہے اور آپ کے دارالعلوم کو جس طرح ہم لوگ دارالعلوم دیوبند کا حقیقی تسلسل سمجھتے ہیں، اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ کسی نہ کسی طرح آپ کے حکم پر عمل کیا جاتا اور معہودہ شمارے کے لئے کوئی مضمون ضرور تیار کیا جاتا، لیکن آپ یقین جانئے کہ میرے لئے اب یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کیونکہ اب حضرت مولانا علی میاں صاحب کے اٹھ جانے کی وجہ سے قلب و فکر مفلوج سے ہوگئے ہیں کسی کام میں جی نہیں لگتا یہ سطریں آپ کو انتہائی دشواری کے ساتھ لکھ رہا ہوں صبر و سکون کے سرمایہ کو سمیٹنے کی توفیق کے بعد سب سے پہلے اب ان پر لکھنے اور اس سلسلے کے دوسرے حقوق کی ادائیگی کیلئے ہمت جٹانی ہوگی۔ اس لئے اس وقت تو معاف رکھیں۔ آپ کا تعلق اور ربط کا پیمانہ لبریز ہوئے بغیر اگر آئندہ اپنی سمت میں مصروف عم رہا تو ان شاء اللہ "الحق" کے لئے لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ ہر چند کہ عربی کی مصروفیت اردو کے لئے کسی طرح فارغ نہیں ہونے دیتی۔

اس موقع سے میں انتہائی شکر گزار ہوں کہ آپ کا رسالہ ہی واحد رسالہ ہے جو پاکستان سے میرے پاس پابندی سے آتا ہے۔ البلاغ سال میں ایک آدھ ہم دست ہوتا ہے۔ بینات آتا ہی نہیں اور دیگر کوئی بھی رسالہ نہیں آتا۔ اس سلسلے میں آپکی توجہ درکار ہے۔ حضرت مولانا مدظلہ کو سلام اور درخواستِ دعا نیز برادران اور اساتذہ کرام کو بھی۔ والسلام

نور عالم خلیل امینی استاذ ادب عربی و رئیس تحریر

مجلہ الداعی دارالعلوم دیوبند' بھارت

محترمی و مکرمی جناب مولانا سمیع الحق صاحب

السلام علیکم' گرامی نامہ ملا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ میں کوشش کرونگا کہ الحق کے خاص شمارے کیلئے کوئی مفید تحریر بھجوا سکوں۔ انشاء اللہ۔ امید ہے آپ بخیر و عافیت ہونگے۔

احقر

جمیل جالبی

ستارۂ امتیاز و ہلال امتیاز' سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

چیئرمین نیشنل لینگویج اتھارٹی

مکرمی و معظمی جناب راشد الحق سمیع صاحب ۔ سلام مسنون۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ گرامی نامہ موصول ہوا جس میں آپ نے ”اکیسویں صدی کے چیلنجز اور عالم اسلام“ کے موضوع پر کوئی مضمون تحریر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آپکے خیال کے برعکس اس سے قبل مجھے قبلہ سمیع الحق صاحب مدظلہ کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ بہر حال مجلّہ سے معلوم ہوتا رہا کہ آپ اس سلسلے میں ایک اشاعت خاص کا اہتمام فرمارہے ہیں۔ مزید کچھ عرض کرنے سے قبل میں انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو ایک عرصہ سے کوئی خط تحریر نہ کرسکا۔ اور نہ موجودہ خط کا جواب جلد دے سکا۔ دراصل بزرگی کے دور میں داخل ہو چکا ہوں‘ انسانی کمزوریوں کا بھی شکار ہوں۔ قویٰ کا زور کم ہوتا جارہا ہے لہذا تحریر و تحقیق میں موقع طبیعت اور مزاج کی منظوری کو بھی بہت دخل ہو چکا ہے جب کسی خاص موضوع کی طرف راغب ہو جاؤں تو پھر دن رات اسی میں مگن رہتا ہو اس دوران دوسرے موضوع کی طرف راغب ہو جاؤں تو پھر دن رات اسی میں مگن رہتا ہوں اس دوران دوسرے موضوع یہاں تک کہ خطوط کے جوابات بھی زبردست تاخیر کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس خاص موضوع پر ابھی تک کچھ سوچ نہیں پایا۔ ویسے موجودہ شوروغل کے برعکس اکیسویں صدی شروع ہونے میں ایک سال باقی ہے اسلئے باقی ہے ”مزاج شریف“ ادھر توجہ نہیں کرپایا۔ لہذا حالت موجودہ میں معافی کا خواستگار ہی ہو سکتا ہوں۔ دوسرے میرے موضوعات دراصل ہمیشہ ”تحقیقی“ ہوتے ہیں اور آپ کا موضوع ”فکری“ ہے۔ مزید برآں میں مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی چیز ایک یا دو نشستوں میں نہیں لکھ پاتا بلکہ حقائق تلاش کرنے میں مہینوں گزار دیتا ہوں اب کہیں ایک موضوع پر محدود مضمون کو مکمل کرپاتا ہوں۔ یہ میں اپنی ساری کمزوریاں بیان کررہاہوں تاکہ آپ کو اپنی ”حقیقی“ تصویر دکھا سکوں۔ بہر حال جب کبھی موقع ملا تو اس موضوع کی طرف بھی راغب ہونے کی کوشش کرونگا۔ (بشرط زندگی!) آپکا مجلّہ ماشاء اللہ وقت کی رفتار کا ساتھ دے رہا ہے۔ آپ نے اسکے حسن اور جاذبیت میں اضافہ کیا ہے۔ آپ کے یورپ کے سفر کی قسطیں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتا رہا ہوں اور خوب لطف اندوز ہوتا رہا ہوں۔ خاص کر آپ کا حسن بیان جس طرح جابجا موقع کی مناسبت کے لحاظ سے سفروں کی بندش بہت قابل تعریف ہے اور اس پر آپ واقعی مبارکباد کے

مستحق ہیں۔

آپ نے سر سید کے موضوع پر میرے جو مضامین شائع کئے ان کیلئے بہت شکر گزار ہوں البتہ ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔ تحقیقی مضامین میں میں کوئی بات حوالوں کے بغیر نہیں کرتا مگر آپ ان میں حوالے غائب کر دیتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ کتاب میں حوالوں کے سلسلے میں میرا وہ سٹائل ہے جو کتاب آخر میں کتاب کے صفحات کے اعتبار سے صفحہ کے الگ الگ اشارہ نمبر دئے جاتے ہیں۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے نقش سر سید کی اگلی اشاعت کیلئے جو مسودہ کمپوز کروایا ہے اس میں پورے مضامین الگ الگ مضمون کے اعتبار سے اشارے اول تا آخر ایک ترتیب سے دئے ہیں تاکہ اگر کوئی انہیں اپنے رسالوں میں شائع کرنا چاہے تو کتاب کے صفحات کے مطابق ہر صفحہ کے الگ الگ اشارہ نمبر انکی راہ میں حائل نہ ہوں۔ سر سید ہی کے موضوع پر مزید کام جاری ہے اور میں ان سینکڑوں افراد کی تنقیدوں کے اہم نکات حواروں کے ساتھ جمع کر رہا ہوں تاکہ ایک ہی جلد میں قارئین کو وہ تنقیدی نکات مل سکیں۔ دعا کریں کہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔

غالباً آپ کے مطالعہ میں میرا رسالہ ''رویت ہلال موجودہ دور میں'' نہیں آیا اس ایک نسخہ بذریعہ رجسٹری بھیج رہا ہوں جو اتفاق سے میرے سٹاک میں موجود تھا۔ خیال ہے کہ اس میں مزید حقائق شامل کروں۔ صوبہ سرحد کی رؤیت ہلال سے قطعاً متفق نہیں میری کتاب جو ہر تقویم میں پندرھویں صدی ہجری کے ہر مہینے کے اوقات قرآن شمس و قمر شامل ہیں جن سے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلانات اکثر ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ خیر یہ ایک طویل بحث ہے۔ پچھلے چند مہینوں میں بعض مضامین ''الحق'' میں شائع ہوئے۔ افسوس ہے کہ بعض علمائے کرام ''جدیدیت'' کے شوق میں ناقابل عمل باتیں کہہ دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر مغرب کے علاقوں کی رؤیت ہلال مشرق میں کسی طور پر نافذ نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں رات کا بہت سا حصہ گزر چکا ہوتا ہے بلکہ انتہائی مشرقی علاقوں میں اگلی صبح چھوڑ دوپہر بھی ہو چکی ہوتی ہے۔ ایک بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آسکی کہ صوبہ سرحد کے علماء خود بھی کبھی چاند دیکھنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں یا انکا کام محض رویت ہلال کی قبل از وقت شہادتیں قبول کرنا ہی ہوتا ہے کیا کبھی خود انہوں نے وہ چاند دیکھے ہیں جو پورے پاکستان میں نظر نہیں آتے (بلکہ پوری دنیا میں دکھائی نہیں دیتے)؟

خیال تھا کہ چند سطروں میں خط تحریر کر کے سپرد ڈاک کر دونگا مگر منتشر خیالات کے باعث انہیں بہتر انداز میں ترتیب نہ دے سکا۔ معافی چاہتا ہوں پچھلے شمارہ میں "وحدت عیدین در رمضان پر علماء کا اتفاق رائے" کی کتاب پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔ یہاں اردو بازار میں مجھے کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ آپ کے درخواست ہے کہ دفتر کو ہدایت فرمائیں کہ یہ کتاب میرے نام وی پی ارسال کر دیں۔ ممنون ہونگا۔

میں ایک بار پھر تاخیر کے سلسلے میں معافی کا خواستگار ہوں بلکہ بعض اوقات نہایت شرمندہ ہوتا ہوں کہ آپ کے میرے یا میرے فرزند کے نام خطوں میں میرے ساتھ محبت کا جو اظہار ہوتا ہے اسکو محسوس کرتے ہوئے بھی آپ کی منشا کے مطابق خط کا جواب بھی نہیں دیتا۔

فقط والسلام

مخلص ضیاالدین لاہوری

...

عزت مآب جناب حافظ راشد الحق سمیع حقانی مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اسلام علیکم ! امید ہے مزاج گرامی بخیر ہونگے۔

روزنامہ اوصاف ملک بھر کے عوام بلکہ عام و خاص ہر دو طبقوں میں مقبول و محبوب اخبار ہے اسی طرح علمی ادبی اور سیاسی دنیا میں ماہنامہ الحق نمبر ون دینی و سیاسی مجلّہ مانا گیا ہے۔ بعض یونیورسٹیوں میں پی ایچ ڈی اور ایم فل میں داخلہ لینے والے طلبہ پر الحق میں انکا مضمون شائع ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔ یہ معیار اس میگزین کے مایہ ناز مدیر نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بنیاد پر عروج ثریا پر پہنچادیا ہے۔ یہ کہ ماہنامہ الحق میں نہ صرف مسلمانوں کے ازلی و ابدی دشمنوں یہود و ہنود اور انکے ایجنٹوں کی سازشوں کے توڑ کیلئے کافی شافی جوابات دیئے جاتے ہیں بلکہ امت مسلمہ کے لئے صحیح ڈائریکشن دینے کے سلسلہ میں دار العلوم دیوبند سے لے کر دار العلوم حقانیہ اور ملا محمد عمر المجاہد تک کے علماء حق کے نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

نئے ملینئم پر مدیر الحق کا معرکۃ الاراء تبصرہ ۱۸ دسمبر کو روزنامہ اوصاف اور الحق ماہ دسمبر کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے اسی طرح کی حق پرستی اور حق گوئی الحق کو ملک بھر کے سینکڑوں

دینی سیاسی اور سماجی شماروں میں ممتاز بناتی ہے۔ ادارہ الحق جدید انفار میشن ٹیکنالوجی اور الیکٹرانک وپرنٹ میڈیا سے متعلق تمام جائز سہولیات سے آراستہ ہو کر درجہ ذیل خصوصیات۔

درستی صحت Accurachy تازگی Freshness شائستگی Decency

جدت Innovation بےمثال Uniqueness یقین واعتبار Credtbility

ممتاز Prominence کیساتھ کامیابی وکامرانی کیساتھ منزل مرادکیطرف اسکا سفر جاری ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں مغرب کی تقلید میں عالم اسلام سے وابستہ حکمرانوں نے اپنادامن مداہنت اور منافقت کی پلید دھول سے داغدار بنادیا اور عیسائی دنیا کے ساتھ ایک سال قبل نئے ملینیئم کی تیاریوں میں بھی پیش پیش نظر آرہے ہیں۔ کمپیوٹر جو بیسویں صدی میں اہل مغرب کی طرف سے ایک محیر العقول کارنامہ سمجھا جارہا ہے لیکن دوسری طرف الحق کے شعبہ کرنٹ افیئرز نے دنیائے عالم کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے اہم ترین Source کمپیوٹر کے Y-2k کے بحران ملینئیم بگ MillienniumBug کو ہدف تنقید بنایا ہے بلکہ کمپیوٹر کو دنیا و آخرت کی کنجی سمجھنے والے اور رات کو (81 Tablet) ایٹی ون گولیوں سے اپنے جسموں کو سکون دلانے والے مغربی حکمرانوں سامراجوں کے مقلدین کے امارض قلب میں کمپیوٹر ایکسپلوژن پر تفصیلی بات کرنے سے انکے ناسور میں اضافہ کیا گیا ہے فاضل مدیر کے لکھے گئے نقش آغاز کے تحقیقی نوٹ میں کہا گیا ہے کہ ایکسپلوژن وائرس بارودی جراثیم کسی بھی وقت کمپیوٹر، انٹرنیٹ رکھنے والے حضرات کو ہلاک کرسکتے ہیں کیونکہ اس جراثیم کے نیچر میں سو فی صد تخریب کی صلاحیت موجود ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیامیں سفر کرنہ سکا
اپنی حکمت کے خم وپیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع وضرر کرنہ سکا

فقط تابعدار بھائی

محمد رحیم حقانی مدیراعلیٰ تعلیمی میگزین ترجمان صفہ

گاؤں وڈاکخانہ سرائی پائین تحصیل تمرگرہ ضلع دیر

دارالعلوم کے شب وروز ______ مولانا حامد الحق حقانی

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز الحمدللہ دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال کا آغاز باقاعدہ ۲۰ جنوری بروز جمعرات پندرہ شوال کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے درس ترمذی سے کیا اور بعد میں نئے آنے والے طلبہ سے تفصیلی خطاب فرمایا۔ دارالعلوم کے تمام درجات کے داخلے ہمیشہ سے بڑھ کر ہوئے۔ صرف دورہ حدیث میں اب تک ساڑھے پانچ سو سے زائد طلبہ کا داخلہ ہو چکا ہے اور سات سو سے زائد درخواست گزاروں سے معذرت کر دی گئی ہے۔ کیونکہ ہاسٹلوں میں جگہ کی کمی اور دیگر وسائل کی عدم دستیابی کی بناء پر مجبوراً انہیں واپس جانا پڑا۔

مہتممین صاحبان اور مدیر الحق کے بیرون ملک اسفار ۲۱ جنوری کو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ حکومت لبیا کی دعوت پر طرابلس اور چاڈ کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ طرابلس کی کانفرنس مدارس اسلامیہ کے بارے میں منعقد کی گئی ہے جس میں پاکستان کے بڑے مدارس کے مہتممین کو خصوصی طور پر بلایا گیا ہے۔ مولانا مدظلہ نے دبئی میں مختصر قیام فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی آپ دوبئی میں شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرائے گئے اور وہاں کے اعلیٰ حکام اور علماء اور حقانی فضلاء نے آپکا پرتپاک استقبال کیا۔ اسی طرح نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق مدظلہ اور استاذ الحدیث حضرت ڈاکٹر مولانا سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ بھی دبئی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ بعد میں جزیرہ مالٹا روانہ ہوگئے۔ اسی طرح مدیر الحق مولانا راشد الحق صاحب کو بھی چاڈ کی بین الاقوامی کانفرنس میں مدعو کیا گیا ہے۔ آپ کی روانگی ۲۹ جنوری کو ہوئی۔ افریقہ کے بعد آپ کا یورپ کے مختصر دورے کا بھی پروگرام ہے۔ اسی باعث قارئین کے خطوط کے جوابات میں تاخیر ممکن ہے۔

بی بی سی کے معروف ہفت وار پروگرام ”میزان“ میں حضرت مولانا مہتمم صاحب مدظلہ کا تاریخ ساز انٹرویو: ۲۴ جنوری کو بی بی سی کے معروف ہفت وار پروگرام ”میزان“ میں حضرت مولانا مدظلہ کا تفصیلی انٹرویو نشر ہوا۔ پروگرام کا موضوع اقلیتوں کے خلاف مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی شدت

پسندی تھا۔ جس کا مولانا نے بھرپور رد کیا اور اسے مغرب کا جھوٹا پروپیگنڈا اور ذہنی اختراع اور امریکہ کی گہری سازش قرار دیا۔ پروگرام میں دوسری جانب ہندوستان کے معروف دانشور مولانا وحید الدین خان صاحب تھے جنکا جھکاؤ حسب سابق مغرب کی طرف تھا۔ اس طرح دنیا بھر کے دیگر علماء، مشائخ، عیسائی پادری بھی اس مباحثے میں شریک تھے۔ لیکن الحمدللہ مولانا کے مدلل، علمی اور سیاسی بصیرت کے سامنے یہ حضرات ٹھہر نہ سکے۔ اس طرح دارالعلوم میں رمضان المبارک میں امریکہ کی ایک معروف کالمسٹ نے بھی دارالعلوم کا دورہ کیا اور ۲۶ جنوری کو William T. Vollmann نیویارک ٹائمز کے رپورٹر نے بھی مدیر الحق سے ڈھائی گھنٹوں کا تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔

<u>شعبہ حفظ میں بین الاقوامی مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے قاری محمد سلیمان صاحب کی دارالعلوم میں دوبارہ تقرری :</u> دارالعلوم کے شعبہ دارالحفظ و تجوید کے سابق نگرانِ اعلیٰ گیارہ سالہ طویل رخصت کے بعد دوبارہ دارالعلوم میں تقرری ہوئی، آپ کی بہترین صلاحیتوں اور اعلیٰ کارکردگی کے باعث دارالعلوم کے اس شعبے کا پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت بن گئی تھی۔ آپ کی دوبارہ واپسی سے ان شاء اللہ دارالحفظ والتجوید کی خدمات میں مزید اضافہ ہوگا۔ آپ دارالعلوم کے مدرس کی حیثیت سے ۱۹۸۵ء میں بین الاقوامی مقابلہ حسن قرأت اور حفظ میں پوری دنیا میں اول آئے تھے۔ پھر بعد میں آپ نے سات برس تک مالدیپ میں ایک اسلامی سنٹر میں نگراں کی حیثیت سے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی واپسی سے دارالعلوم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

<u>دارالعلوم کے احاطہ مدنیہ کی چوتھی منزل کی تکمیل :</u> دارالعلوم میں طلباء کی سہولیات اور بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ہمیشہ تعمیرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی ایک بڑی تعداد درسگاہوں اور مسجدوں میں رہائش پذیر ہوتی ہے۔ احاطہ مدنیہ کے جدید ہاسٹل نے پھر بھی بہت سا بوجھ کم کر دیا ہے۔ چوتھا فلور جو صرف سات آٹھ ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل ہوا ہے۔ اس فلور میں بھی تیس کمرے ہیں۔

<u>رمضان المبارک میں دارالعلوم کی علمی و روحانی رونقیں امسال بھی زوروں پر رہیں :</u> رمضان

المبارک میں دارالعلوم کی علمی وروحانی رونقیں امسال بھی زوروں پر رہیں، حسب سابق حضرت شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کے دورہ تفسیر کی وجہ سے طلباء کی ایک کثیر تعداد دارالعلوم میں موجود رہی۔ دورہ تفسیر میں تقریباً ایک ہزار طلباء شریک رہے۔ اور ایک بڑی تعداد کو دارالعلوم کی اقتصادی اور مالی مشکلات کی وجہ سے داخلہ نہ مل سکا۔ اسکے علاوہ سات سو افراد نے سندات تفسیر حاصل کیں۔ جامعہ مسجد دارالعلوم میں مولانا حافظ قاری منصور اللہ نے پندرہ روزہ ختم قرآن سنانے کا شرف حاصل کیا۔ ختم کی آخری رات شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب نے رمضان اور قرآن کے فضائل پر طلباء سے مدلل، علمی خطاب فرمایا۔ ہمیشہ کی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب اور دیگر دارالعلوم کے ۷ عدد علماء وطلباء تاجکستان آخری عشرہ میں اعتکاف کی سعادت سے فیض یاب رہے۔ شعبہ حفظ دتجوید کے مولانا قاری حافظ شوکت علی صاحب کے زیر انتظام دارالحفظ میں چھوٹے بچوں نے الگ ختم قرآن پاک تراویح میں، اور آخری عشرہ میں دارالحفظ کے نوجوان حفاظ وقرأ طلبا نے جامع مسجد میں پانچ روزہ شبینہ میں علماء وطلباء کی ایک بڑی تعداد کو قرآن سنانے کی سعادت حاصل کی۔ ختم قرآن کی شب حضرت مہتمم صاحب نے اپنے خطاب میں شعبہ حفظ کے اساتذہ اور چھوٹے بڑے حفاظ طلباء کو خراج تحسین پیش کیا اور انکی حوصلہ افزائی کیلئے انعامی رقوم سے بھی نوازا۔ ایوان شریعت (دارالحدیث ہال)

میں ۴ر ۵ جنوری ۲۰۰۰ء بمطابق ۲۷، ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو حافظ منظور احمد صاحب کو ہمیشہ کی طرح دو روزہ شبینہ میں قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل رہی۔ جس میں علاقے اور خصوصاً اکوڑہ خٹک کے عوام کی کثیر تعداد شریک رہی۔ اختتامی دعا میں مولانا حامد الحق حقانی اور حافظ راشد الحق نے شرکت کی۔

<u>شعبہ حفظ کے قاری فضل ربی صاحب سے ادارے کی تعزیت</u> شعبہ حفظ کے استاد حافظ قاری فضل ربی صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال دل کا دورہ پڑنے سے عید کے دن ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارہ انکے ساتھ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

افغان سپریم کونسل کے سربراہ ملا محمد ربانی اور اعلیٰ سطح وفد کی دار العلوم تشریف آوری

مورخہ 31 جنوری کو سہ پہر 3 بجے تحریک طالبان افغانستان کے نمائندہ مقیم پشاور مولانا عبدالقدیر حقانی نے فون کیا کہ افغانستان کی سپریم کونسل کے سربراہ (صدر) جناب ملا محمد ربانی دورہ پاکستان پر آئے ہوئے ہیں۔ اور ایک گھنٹہ کے اندر تقریباً چار بجے عصر دار العلوم حقانیہ پہنچنے والے ہیں۔ قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ملک سے باہر لیبیا کے بیرونی سفر پر تھے۔ دیگر اساتذہ بھی ادھر ادھر جا چکے تھے۔ البتہ دار العلوم کے نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب‘ مولانا محمد ابراہیم خان اور مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب موقعہ پر موجود تھے۔ وقت کم ہونے کی بناپر دار العلوم سے باہر شہر میں بھی کسی کو اطلاع نہیں دی جاسکی۔ لیکن پھر بھی اس مختصر وقت میں کثیر تعداد میں افغان مہاجرین اور مقامی لوگ کافی تعداد میں پہنچ گئے۔ دار العلوم کے طلباء نے انتہائی نظم و نسق کیساتھ معزز مہمان کا استقبال کیا دار العلوم سے ایک فرلانگ تک طلباء سڑک کراپا لیا۔ جلد بجلد صف بستہ معزز مہمان کے استقبال کیلئے قطار میں کھڑے ہوگئے۔ دار الحفظ والتجوید کے ششم اکمی ملوثان کے نوجوانوں نے جلوس اور جلسہ کے اردگرد تمام حفاظتی انتظامات سنبھال لئے تھے۔ مہمان مکرم جب پہنچ کر گاڑی سے اتر گئے تو استقبال میں کھڑے ہزاروں طلبہ اور عوام نے پرجوش انداز میں ان کا استقبال کیا اور تحریک طالبان زندہ باد‘ امیر المومنین زندہ باد‘ دل دل جان طالبان طالبان‘ نجات پاکستان طالبان طالبان کے نعروں کی گونج میں جامعہ مسجد لانے کیلئے لایا گیا۔ جامع مسجد میں باضابطہ استقبالیہ جلسے کا آغاز ہوا سٹیج سیکرٹری کے فرائض دار العلوم کے استاد مولانا سید محمد یوسف شاہ ادا کر رہے تھے جلسے کا آغاز دار العلوم حقانیہ کے دار الحفظ والتجوید کے نگران اعلیٰ مولانا قاری محمد سلیمان صاحب ہزاروی نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس موقع پر افغان سربراہ کے ہمراہ کئی وزراً اور دیگر اہم افراد بھی موجود تھے جن میں اکثریت حقانی فضلاء کے وزراء کی تھی جن میں مولانا یار محمد رحیمی وزیر مخابرات‘ مولانا احمد اللہ حقانی وزیر فوائد عامہ مولانا عبدالرقیب حقانی وزیر شہداء و مہاجرین‘ مولانا محمد مسلم حقانی معاون نائب وزیر حج واوقاف مولانا عبدالحکیم منیب نائب وزیر سرحدات‘ مولانا سید محمد حقانی سفیر امارت اسلامی اسلام آباد‘ مولانا عبدالقدیر حقانی

نمائندہ صوبہ سرحد' مولوی فضل محمد فیضان نائب وزیر تجارت مولانا نجیب اللہ قونصلر جنرل مقیم پاکستان انکے ہمراہ تھے۔

آغاز میں دارالعلوم کے نائب مہتمم حضرت مولانا انوارالحق صاحب حقانی نے استقبالیہ کلمات فرماتے ہوئے کہا کہ آج دارالعلوم حقانیہ کے لئے انتہائی خوش قسمتی ہے کہ روئے زمین پر موجود ایک حقیقی اسلامی نظام نافذ کرنے والی حکمران جماعت کے سربراہ حضرت مولانا محمد ربانی صاحب اور انکے رفقاء کابینہ کے وزراء اپنے مادر علمی دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے ہیں ہم دل کی گہرائیوں سے انکا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کو خوش آمدید کہتے ہیں دارالعلوم حقانیہ کا کردار جہاد افغانستان اور تحریک طالبان میں کسی سے پوشیدہ نہیں ان اکابرین کو بخوبی معلوم ہے کہ دارالعلوم حقانیہ ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک تحریک کا نام ہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے بانی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں جب جہاد شروع ہو گیا تو انکی یہ خواہش اور تمنا تھی کہ کاش میں جہاد کے صف اول میں کھڑا ہوتا۔ میں علماء و طلباء

تحریک طالبان میں الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ کا ایک بہت بڑا حصہ ہے آب بھی صف اول میں دارالعلوم حقانیہ کے ۹۰ فی صد علماء' فضلاء موجو ہیں۔ آج ہمیں افغانستان میں شرعی نظام کے نفاذ پر فخر ہے' افغانستان آج پوری دنیا میں امن کا گہوارہ ہے۔ موجودہ حالات میں تمام عالم کفر طالبان کے خلاف متحد ہو چکا ہے۔ لیکن یہ ہمارا ایمان ہے کہ ان شاء اللہ یہ لوگ طالبان تحریک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں اور ان شاء اللہ اس تحریک کو روز افزوں استحکام نصیب ہو گا کسی کی پروا کئے بغیر آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں۔ ہم آپ لوگوں کے شانہ بشانہ رہیں گے اور ہم نے ہمیشہ امیر المومنین کے حکم پر لبیک کہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ حضرت مہتمم صاحب مولانا سمیع الحق بیرون ملک سفر کی وجہ سے موجود نہیں انہیں آپ کا استقبال کرتے ہوئے بے حد مسرت ہوتی کیونکہ وہ ہر ہر محاذ پر پاکستان میں طالبان کے پشتیبان ہیں۔ میں انکی طرف سے اور دارالعلوم کے تمام اساتذہ و عملہ اور انتظامیہ کی طرف سے آپکا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اور آپکو خوش آمدید کہتا ہوں۔

افغانستان کے سپریم کونسل کے سربراہ ملا محمد ربانی نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ہماری خوش قسمتی ہے کہ دارالعلوم حقانیہ کی جامع مسجد میں آپ سے ملاقات کا موقع ملا۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کے نظام کو اللہ تعالیٰ ایسا چلارہاہے کہ شر اور فساد کو اہل ایمان کے ذریعے دفع کررہاہے اسلئے اگر ہم یہ کام یہ نہ کریں تو پھر کفر گھر گھر تک پہنچ جائیگا۔ اور سارا عالم شر و فساد سے بھر جائیگا۔ اور اگر اسی مقابلہ کی صورت نہ ہوتی تو پھر اسلام کیسے دنیا میں پھیلتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے دنیا سے فتنہ و فساد کے خاتمہ کیلئے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا تاکہ ظلم و جبر کا راستہ روکا جاسکے۔

انہوں نے کہا کہ افغانستان پر روسی تسلط کے بعد جب افغان عوام روس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو دنیا بھر کے مسلمانوں نے افغانستان کے جہاد میں حصہ لیا اور بیش بہا قربانیوں کے نتیجہ میں روس کا تسلط ختم ہوا جس کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں کو امید تھی کہ افغانستان اب دنیا کے مسلمانوں کا مرکز ہوگا۔ لیکن افسوس کہ افغانستان میں داخلی جنگوں اور فساد کا نیا سلسلہ شروع کرایا گیا۔ جگہ جگہ پر پھاٹک لگے ہوئے تھے ظلم و عدوان کا بازار اگرم تھا اور ہر شخص اور گروہ الگ الگ حکومت کررہا تھا۔

اسی نقشہ کو دیکھ کر مجبوراً علماء اور طلباء اور دیندار مسلمانوں کا ایک گروہ میدان میں اتر آیا اور بالاخر افغان مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ کفار نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ افغانستان کو ٹکڑے ٹکڑے کردینگے۔ اور کھنڈرات میں تبدیل کردیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے کو خاک میں ملادیا۔ اور اب الحمد للہ سو فیصد اسلامی نظام افغانستان میں نافذ ہے اور امن و امان قائم ہے۔

یہ دراصل دشمنانِ اسلام کی گھناؤنی سازش تھی جسکے ذریعہ وہ اسلام کو بدنام اور افغانستان کو تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دارالحکومت کابل سمیت افغانستان کے تمام بڑے شہر کھنڈر بن چکے تھے۔ طالبان کی تحریک کے نتیجے میں آج افغانستان کا ۹۵ فیصد رقبہ آزاد ہے وہاں اسلامی نظام اور امن و امان قائم ہے اور افغانستان کو تقسیم کرنے کی سازشیں اپنی موت آپ مرچکی ہیں۔ ہم نے جہاد کا عزم کررکھا ہے اور اس راہ میں اپنی جان و مال سمیت کسی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے۔ اور کفار کے خلاف جہاد کے اس عمل کو جاری رکھیں گے۔

انہوں نے کہا کہ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ آج دنیا بھر کی اسلام دشمن قوتیں افغانستان کی اسلامی حکومت۔ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں آج افغانستان پر پابندیاں لگائی گئی ہیں لیکن ہمیں ان دنیاوی پابندیوں کی کوئی پرواہ نہیں نہ ہی ان پابندیوں کے نتیجہ میں افغانستان کو کسی بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں کوئی بھوک سے نہیں مرا۔ ہمیں دنیا سے کچھ نہیں لینا ہے ہمیں صرف اللہ کی خوشنودی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مشکلات سے نجات دے گا۔ رازق اللہ ہے کوئی انسان یا ملک نہیں۔ پابندیاں لگانے والے افغانستان کو سرنگوں کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن ہم کسی دنیاوی طاقت کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکیں گے اگر ہم ایک پابندی کے سامنے جھکے تو پھر یہ لوگ ہم پر دوسری پابندیاں لگائیں گے۔ ہم پابندیاں تو برداشت کر سکتے ہیں لیکن اسلام اور اسلام کے اصولوں پر سمجھوتہ ہرگز نہیں کرینگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس نے تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ من حیث لا یحتسب رزق دے گا رزق وہی ہوتا ہے جس سے انسان کا پیٹ بھر جائے۔ اللہ تعالیٰ نے افغانستان پر دوسرے راستے کھول دیئے۔ پابندیوں سے پہلے جو مشکلات تھیں ان پابندیوں سے مشکلات میں اضافہ نہیں ہوا۔ انہوں نے دنیا بھر کے علماء اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اسلام کی سربلندی کیلئے جدوجہد کرنے والوں کی فتح و نصرت کیلئے دعا کریں کیونکہ دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں کی کامیابی دنیا بھر کے مسلمانوں کی کامیابی ہے اور اگر خدانخواستہ کہیں دنیا میں کسی جگہ مسلمان تکلیف میں ہے۔ تو وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مشترکہ غم ہے۔

آج یہ ظالم چیچنیا کے مسلمانوں کو کیسے دربدر کر رہے ہیں کیسے مظالم ان پر ڈھا رہے ہیں لیکن انسانی حقوق کے علمبردار خاموش بیٹھے ہیں انکا معیار مسلمانوں کے بارہ میں دوہرا ہے۔ لیکن الحمد للہ مجاہدین کامیابی سے ہمکنار ہو رہے ہیں کشمیر کے مجاہدین کو آپ دیکھیں۔ ہندوستان کی جانب سے کیسے کیسے مظالم ہو رہے ہیں مگر یہ کفار کشمیری مجاہدین کے بارے میں خاموش ہیں اپنے لئے قانون جمہوریت کی بھی اجازت نہیں دیتے کیونکہ یہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور یہ جمہوریت ان کو قبول نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ریفرنڈم یا آزادانہ انتخابات کی اجازت دی تو مسلمان جیت جائیں گے۔ مشرقی تیمور میں جب وہ سمجھتے تھے کہ عیسائیوں کی اکثریت ہے تو وہاں

انتخابات کی اجازت دے دی۔

انکا کردار دوہرا ہے مسلمانوں کیلئے کچھ اور کفار کیلئے کچھ اور۔ لیکن دینا کچھ بھی کرے مسلمانوں کی یہ تحریکیں بالآخر کامیاب ہو کر رہیں گی۔ ہم آخر دم تک اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کی جنگ لڑیں گے۔ انہوں نے مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پر زور دیا اور کہا کہ کامیابی کا راز اتحاد میں پوشیدہ ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کی بے اتفاقی کی وجہ سے انہیں غلامی اور مشکلات کا سامنا ہے آخر میں انہوں نے دار العلوم حقانیہ کے اساتذہ اور طلباء کا شکریہ ادا کیا اور جہاد افغانستان تحریک طالبان اور عالم اسلام کی عظیم خدمات پر دار العلوم کے تاریخی کردار کو خراج تحسین پیش کیا۔ خطاب کے بعد ملا محمد ربانی نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مزار پر حاضری دی اور دار لعلوم کی نو تعمیر شدہ عمارات اور شعبوں کا معائنہ کیا۔

<u>چیچنیا کے سابق صدر اور انکے رفقاء کی دار العلوم آمد</u> ۴ فروری کو چیچنیا کے سابق صدر جناب زیلم خان دار العلوم حقانیہ تشریف لائے۔ انکی آمد کی اطلاع رات کو ملی تھی چنانچہ صبح طلبہ دار العلوم اور عوام کی ایک کثیر تعداد آپکے استقبال کیلئے سڑک پر نکل آئی۔ ان میں حضرت مہتمم صاحب سمیت دار العلوم کے تمام اساتذہ و شیوخ موجود تھے۔ اس موقع پر جو کاروائی ہوئی اس کی اخباری رپورٹ پیش خدمت ہے :-

چیچنیا کے سابق صدر اور موجودہ حکمران مسخادوف کے خصوصی ایلچی زیلم خان باندرایوف نے کہا ہے کہ ہمارا جہاد صرف چیچنیا کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی آزادی اور اسلام کا نظام نافذ کرنے کیلئے ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا ہماری چار سالہ جدوجہد اور آباؤ اجداد اور اولاد کی قربانیوں کا صلہ یہ ہے کہ عالم اسلام ہمیں فوری تسلیم کرے زیلم خان یہاں دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے وسیع و عریض ایوان شریعت ہال میں علماء اور طلباء سے خطاب کر رہے تھے تقریب کی صدارت دار العلوم کے مہتمم مولانا سمیع الحق نے کی۔ اور ہزاروں افراد نے اس میں شرکت کی جناب زیلم خان جب دار العلوم حقانیہ کے معائنہ اور مولانا سمیع الحق سے خصوصی ملاقات کیلئے اکوڑہ خٹک پہنچے تو دار العلوم سے باہر ایک میل تک ہزاروں طلبہ اور علماء اور مسلمانوں نے دورویہ

کھڑے ہو کر ان کا پر جوش استقبال کیا جبکہ ساری فضا اللہ اکبر اور الجہاد الجہاد کے نعروں سے گونج رہی تھی مولانا سمیع الحق نے اپنے استقبالیہ خطاب سے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا اور کہا کہ حکومت فوری طور پر چیچنیا کی حکومت کو نہ صرف تسلیم کرے بلکہ مظلوم مسلمانوں کو روس کے جبر و ظلم سے نجات دلانے کیلئے فوج بھی چیچنیا بھیج دے جبکہ اس سے قبل امریکہ کی خوشنودی کی خاطر ہمارے فوجی دستے کئی ممالک میں بھیجے جاتے رہے ہیں مولانا سمیع الحق نے ہزاروں حاضرین سے ہاتھ اٹھوا کر چیچنیا کی حکومت تسلیم کرانے کی قرارداد پاس کروائی۔ انہوں نے جنرل پرویز مشرف کے جہاد کشمیر کے سلسلے میں حالیہ تقاریر اور انٹرویوز میں جہاد اور دہشت گردی کا فرق واضح کرانے اور جہادی قوتوں کو متحد ہونے کی اپیل پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ ہماری ایٹمی قوت پورے عالم اسلام کی مشترکہ امانت ہے۔ امریکہ کے قدموں پر اسے نچھاور کرنا ملک و قوم سے غداری ہوگی۔ جبکہ ملت مسلمہ اور پاکستانی قوم پاکستان کے ہر فوجی اور سپاہی کو اللہ کے دین کا مجاہد سمجھتی ہے امریکہ اس اسلامی قوت کو سازشوں کے ذریعے داغ دار کرنا چاہتا ہے انہوں نے کہا کہ امریکہ سے دوستی سراسر نقصان ہے۔ اس لئے پاکستان کلنٹن کے نہ آنے کو اللہ کی مدد سمجھ کر خوش ہونا چاہیے وہ لینے آتا ہے دینے نہیں۔ اگر ہم ڈٹ گئے تو وہ ہمارے قدموں میں گرے گا۔ مولانا سمیع الحق نے اسلام آباد میں بعض اہل کاروں کی وجہ سے چیچن مہمانوں کی توہین کو ناقابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے اسے افواج پاکستان کے خلاف ایک سازش قرار دیتے ہوئے مجرموں کو عبرتناک سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ مولانا سمیع الحق نے چیچن مسلمانوں کو خراج تحسی پیش کرنے کی خاطر عظیم مجاہد مہمان زیلم خان کو پگڑی پیش کی جس کی دار العلوم کے جید علماء نے باقاعدہ دستار بندی کرائی۔

جناب زیلم خان نے اپنے ڈیڑھ گھنٹے کے تفصیلی خطاب میں چیچنیا کے بارے میں عالم اسلام کی بے حسی اور بے حمیتی کا گلہ کرتے ہوئے کہا کہ مسلم امت اور اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے مگر حکمران یہود و نصاریٰ سے دبے ہوئے ہیں مگر میں نے افغانستان اور پاکستان کے مسلمانوں کے چہروں پر جو محبت اور جذبات کی چمک دیکھی ہے اسکی مثال نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت ملا

محمد عمر امیر المومنین واحد حکمران ہیں جو خلافت اسلامیہ کی راہ پر چل رہے ہیں اور انہوں نے مجھے پیشکش کی کہ افغانستان کی ساری افرادی اور مادی اور جہادی قوت چیچنا کیلئے حاضر ہے اور ہم آخر تک چیچنیا کو سپورٹ کریں گے۔ زیلم خان نے کہا کہ میری پاکستان آمد اور سرگرمیوں پر روسی حکومت اور اخبارات مسلسل واویلا کر رہے ہیں اور پاکستان پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ کہیں وہ افغانستان کی طرح چیچنیا کو تسلیم نہ کر بیٹھے جبکہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے نہیں بلکہ صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت کے خوشنما پردے میں روس اور امریکہ مسلمانوں کو تباہ کر کے اپنے مفادات کیلئے استعمال کر رہے ہیں جبکہ اسلامی نظام کی منزل تک ہمیں جمہوریت کا نہیں بلکہ اپنا کوئی راستہ اختیار کرنا پڑے گا جبکہ جمہوریت اور بنیادی حقوق کے خوشنما ناموں سے یورپ ہمارے ہاتھوں ہی سے اسلام کی جڑیں کٹوا رہا ہے۔ جناب زیلم خان نے کشمیر کی آزادی کے لئے برسرپیکار تنظیموں سے متحد ہونے کی اپیل کی۔ اور کہا کہ تمام دینی قوتوں کو اختلافات مٹا کر متحد ہو کر نظام خلافت قائم کرنا چاہیے۔ زیلم خان صاحب نے کہا کہ پاکستان آنے کیلئے مجھے کئی ماہ ویزا کی جدوجہد کرنی پڑی جبکہ مسلمانوں کو کسی اسلامی ملک کے ویزے کی کیا ضرورت تھی مگر ہم کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے ملنے کیلئے بھی امریکہ اور روس سے منظوری لیتے ہیں۔ جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نے کہا کہ یہ صدی جہاد اور غلبۂ اسلام کی صدی ہے آج اگر جغرافیائی پابندیاں نہ ہوتیں تو ہم سب شیشان کے مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑتے، بعد میں جناب زیلم خان اور ان کے وفد نے دارالعلوم حقانیہ کے تمام شعبوں و عمارات کا معائنہ کیا بعد میں وہ بانی دارالعلوم حقانیہ حضرت مولانا عبدالحقؒ کے مزار گئے اور فاتحہ خوانی کی۔ انہوں نے دارالعلوم حقانیہ کی کارکردگی سے متاثر ہو کر چیچنیا سے طالبعلموں کی ایک بڑی تعداد تعلیم کیلئے حقانیہ بھیجنے کی خواہش ظاہر کی۔ جسے مہتمم دارالعلوم مولانا سمیع الحق نے خوشی قبول کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے دروازے تمام سنٹرل اسلامی ریاستوں کیلئے کھلے ہیں۔ تقریب سے دارالعلوم کے نائب مہتمم مولانا انوار الحق، مولانا سید یوسف شاہ اور دیگر علماء نے خطاب کیا۔ بعد میں انہوں نے دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں مولانا سمیع الحق سے تنہائی میں تفصیلی ملاقات کی۔

تبصرہ کتب

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب

کتاب : مشاہیر علماء سرحد مصنف : ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمان
ضخامت : ۶۵۶ صفحات قیمت : درج نہیں ناشر : مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی

مخدوم محترم جناب ڈاکٹر قاری فیوض الرحمان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کا نہایت عمدہ اور ستھرا ذوق ودیعت فرمایا ہے جس کے شاہکار نمونے مختلف تذکروں کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ زیر نظر کتاب مشاہیر علماء سرحد بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس میں آپ نے نہایت ہی عرق ریزی سے صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخ کے سوانح حیات اور تذکرے یکجا کئے ہیں حالانکہ یہ ایک انتہائی صعب دقت طلب اور مشکل ترین تحقیقی کام ہے چونکہ بندہ خود بھی اسی قسم کے موضوعات پر گاہے گاہے کام کرتا آرہا ہے اس لئے مجھے بذاتِ خود اس کے کٹھن پن کا اندازہ ہے

۱۸۵۷ء تا ۱۹۷۶ء ممتاز اصحابِ تدریس و تصنیف پر تحقیقی کام کا سلسلہ محترم ڈاکٹر صاحب نے علامہ علاء الدین صدیقی کی زیر نگرانی ۱۹۷۰ء میں شروع کیا تھا۔ ۱۹۷۶ء میں آپ نے یہ سلسلہ مکمل کرلیا۔ اور اس پر جامعہ پنجاب نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ تاآنکہ ۱۹۹۷ء میں آپ نے اسے ۲۸ سال کی تحقیق کے بعد زیور طباعت سے آراستہ کیا اس میں ۴۴۰ علماء و مشائخ کے حالات اور سوانح درج ہیں اور ملحا سن، فات ان کی ترتیب ہے کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اختصار کے ساتھ انتہائی جامع انداز میں مذکورہ شخصیت کے متعلق ضروری مواد موجود ہے۔ مجلس نشریات اسلام کراچی نے اس کی اشاعت میں اپنی روایتی نفاست اور خوش مذاقی کا ثبوت دیا ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم کو اسی طرح تر و تازہ رکھتے ہوئے مزید بزرگوں اور علماء و مشائخ کے سوانح ترتیب دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ امین

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر : 630435 , 630340 -(0923)
ای میل نمبر : E-Mail : haqqania@psh.infolink.net.pk
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
پبلشر : مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

GO ANYWHERE
YOU WANT TO

GO

SOHRAB

MOUNTAIN BIKE
OVAL SHAPE
24" & 26" Size

CYCLING REDUCES POLLUTION

- MULTI SPEED GEARS
- SPECIAL SIZE TYRES
- IMPORTED BRAKES

PAKISTAN'S NO.1 BICYCLE

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

زندگی کے سارے سُکھ، صحّت اور تنِ دُرستی سے ہیں

ایلوویرا اور
منتخب نباتات کا
صحّت افزا مرکّب

تن سُکھ سے تن دُرست

تن سُکھ جسم وجاں کو تقویت پہنچاتا ہے، نظامِ ہضم اور افعالِ جگر کی اصلاح کرتا ہے۔

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم وحکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

Adarts -HTS-12/97(R)